PRINTED BOOK

سہ ماہی ممبئی

افکار رضا

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء شعبان المعظم تا شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

"اپنی عظمتِ رفتہ کو پانے کیلئے، اپنی کھوئی ہوئی شان وشوکت کی تحصیل کیلئے، اپنے گئے ہوئے باوقار ایام کی بازیابی کیلئے، انگریزی ودیگر اسلام دشمن نظریات کے بندھن میں جکڑے ہوئے ذہن وفکر کی واگذاری کیلئے، اپنے گنوائے ہوئے مقام ومنصب کی بحالی کیلئے، دنیا کے امن وسکون کیلئے، فرد کے چین اور جماعت کی راحت کیلئے، ملک کی بہتری اور ملت کی برتری کیلئے، دینی فکر ومزاج کی سلامتی وتحفظ کیلئے، افکار وخیالات کی پاکیزگی اور آبیاری کیلئے، معاشرت ومعیشت کی فلاح وبہبودی کیلئے، قومِ مسلم کی باآبرو اور سرخرو زندگی کیلئے، ایک مسلمان کو صحیح معنی میں مسلمان بنانے اور بنے رہنے کیلئے، اللہ کی رضا اور رسول کی خوشنودی کیلئے...... حضرت رضا بریلوی کی چلائی ہوئی تحریکِ محبت کو سینے سے لگانے کی ضرورت ہے، اسے اپنانے اور اپنا بنانے کی ضرورت ہے۔......

قومیں عشق ہی سے زندہ رہتی ہیں' ملتِ مسلمہ بھی عشق ہی سے زندہ ہوئی، عشق ہی سے زندہ رہی، عشق ہی سے زندہ رہے گی، عشق جتنا محکم ہوگا زندگی اتنی پائندہ ہوگی۔ احمد رضا محبت کی موت کو ملّت کی موت سمجھتا تھا اس لیے اس نے محبت کی خاطر ملک گیر تحریک چلائی، دلوں کو مرنے نہ دیا زندہ رکھا۔ اس کو معلوم تھا عشق ومحبت نے صحابہ کو سرفراز کیا...... ان کا کہنا تھا کہ کوئی علم وفن اللہ اور اس کے رسول کے ذکر سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ یہ ایک ایسا انقلابی خیال تھا کہ اگر اس پر عمل کرلیا جاتا تو دل ودماغ اس طرح ویران نہ ہوتے۔ جس طرح آج ویران ہیں دلوں کی اجڑی بستی کی باز آبادکاری کیلئے حضرت بریلوی کا پیغام ہی عالمگیر تحریک اور عالمگیر ضرورت ہے۔

(ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری)

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

تحریک فکر رضا

پیشکش محمد احمد ترازی

۱۹۲، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

R.N.I. Registration No.: 71248/99

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار

سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء جلد ۱۱ شمارہ ۴ (۴۴) شعبان المعظم تا شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

مدیر : محمد زبیر قادری (موبائل: 98679 34085)

منیجر : محمد اسحٰق برکاتی (موبائل: 93239 54522)

Distributed in Pakistan By :

Markazi Majlis-e-Riza

P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,

Edgeley, Stockport, SK3 9NL ENGLAND

Distributed in Australia By :

SHEHZAD ALI

P.O. Box: 51, Lurnea 2170,

NSW, AUSTRALIA

رابطہ کا پتہ: Correspondence Address:

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008.

آفس کا پتہ: **Office Address:**

95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008 India

فون: ***5600 8260***

Website: www.fikreraza.net Email: editor@fikreraza.net

پرنٹر پبلشر محمد اسحٰق محمد [illegible] نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400008 سے چھپوا کر دفتر 167 ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400 008 سے شائع کیا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

متوسلینِ رضا

حمد ہے اس ذات کو جس نے مسلماں کردیا
عشقِ سلطانِ جہاں سینے میں پنہاں کردیا

اے شہِ لولاک تیری آفرینش کے لیے
حق نے لفظِ کن سے پیدا ساز و ساماں کردیا

کیا کشش تھی سرورِ عالم کے حُسنِ پاک میں
سینکڑوں کفار کو دم میں مسلماں کردیا

یا رسول اللہ الغنی وقت ہے امداد کا
نفسِ کافر نے مجھے بے حد پریشاں کردیا

تیری نصرت ایسے نازک وقت میں جاری رہی
نجدیوں نے یا نبی لاکھوں کو شیطاں کردیا

ہے جمیلِ قادری یہ فضلِ اللہ و رسول
تیرا مرشد حضرت احمد رضا خاں کردیا

عیسائی فرقانِ حق۔ نقد و تجزیہ

از: نوشاد عالم چشتی علیگ، علی گڑھ

بسم الله الرحمن الرحيم الصلوة والسلام عليك يا رسول الله

ابتدائیہ

عیسائیوں کی ایک جماعت نے الفرقان الحق The True Furqan کے نام سے انٹرنیٹ پر ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ یہ کتاب عربی مع انگریزی ترجمہ کے ہے۔ سرورق کے بعد والے صفحے پر ذیل کی وضاحت مرقوم ہے:

حقوق الطبع محفوظ

"لا يجوز اعادة طبع او نسخ او تصوير بلى شكل او اقتباس او نشر على (الانترنت) او نقل هذا الكتاب أواى جزء منه باذن خطى"

All rights reserved under International Copyright Convention. No part of this book is allowed to be reprinted, photo copied, or photographed in any fashion whatsoever, neither displayed on the internet nor quoted in any printed manner without a written permission.

Copy right 1999

For more information please contact:

Omega 2001

P.O.Box 293627

Sacramento. C.A 95829

Published and distributed by:

Wine Press Publishing

P.B. Box 428

Enumelaw. W.A 98022

First Edition ... الطبعة الاولى

Apologotics/ Comparative Religion

ISBN 1-57921-175-5

اس کے بعد ایک مقدمہ ہے جس کا صرف انگریزی ترجمہ ملاحظہ کریں:

To the Arab nation specifically and the Muslim world

collectively: peace, mercy and blessings from God Almighty!

Deep withing every human spirit is a longing for authentic faith, inner peace, spiritual freedom and eternal life. We trust the living God that these longings can be clarified in this new document، the True Furqan. The Creator of humanity offers these blessings to everyone in the world without discrimination to one's race, color, nationality, language or religion. The Almighty God cares about every human soul on this planet.

The Executive Committee, in charge of recording translating and publishing,

Al Saffee and Al Mahdy

اس مقدمے کو لکھنے والے الصفی والمہدی نامی دو شخص ہیں جیسا کہ مقدمے کے آخر میں مکتوب ہے۔ مقدمہ کے بعد فہرست ہے۔ اس کتاب کی پہلی سورہ البسملۃ The Blessing کے لیے حرف A اور خاتمہ Epilogue کے لیے Z کا حرف استعمال کیا گیا ہے۔ بقیہ سورہ کی تعداد ۷۷ ہے جو سورہ الفاتحہ انگریزی میں The Opening سے شروع ہو کر The Martyr یعنی الشہید پر ختم ہے۔ کل صفحات سرورق تا آخر ۳ ۸۶ ہے۔ مقدمے میں:

To the Arab nation Specifically and the Muslim world collectively:

کہہ کے اہل عرب کو خصوصی اور مسلمانوں کو اجتماعی طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں نے اس کا تنقیدی مطالعہ کیا۔ اس نام نہاد فرقانِ حق کے تنقیدی جائزہ کے لیے شرفِ ملت عزت مآب سید محمد اشرف صاحب مدظلہ العالی (کمشنر انکم ٹیکس، علی گڑھ) نے میری مشفقانہ رہنمائی کی۔ میں ان کا بطور خاص شکر گزار ہوں۔ اس کے تمام عنوانات پر نقد و نظر ایک رسالے کے مضمون میں ممکن نہیں۔ تفصیل سے بعد میں اس پر لکھوں گا۔ فی الحال کچھ حقائق پیش ہیں۔

قرآنی آیات میں پیوندکاری: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نام نہاد فرقانِ حق میں تحریر کیے گئے عنوانات جیسے البسملۃ، الفاتحہ، النور، السلام، الایمان، الحق، الاعجاز، الصلاح، النساء، الزوج، الطلاق، الصیام، الانبیاء وغیرہ وغیرہ سب میں اکثر و بیشتر قرآنی آیات کو لے کر اس میں من مانی پیوندکاری کر کے ایک نیا نام نہاد فرقانِ حق گڑھ لیا گیا ہے۔ ایک باب بسملہ کی دو آیتیں ملاحظہ کریں:

"فھو آب لم یلد. کلمۃ لم یولد"

لم یلد ولم یولد کہاں سے لیا گیا ہے یہ قرآن کے قاری پہ مخفی نہیں۔ ایسے ہی **فابواب الجنۃ مفتوحۃ للنائمین، وتعرض عن الجاھلین، فما کفروا وما کفروا وما ظلموا، فجاء الحق و**

زهق الباطل، واقترب الساعة وانشق الباطل، والذين جعلوا اصابعهم فى آذانهم، لقد جاء كم الفرقان، بين لكم الرشد من الغى، فلا اكراه فى الدين، ونخرجكم من الظلمات الى النور لعلكم تهتدون، انا انزلنا فرقانا حقا بلسان عربى بين الاعجاز، وكفر، وخاب والذين اشتروا الضلالة بالهدى، ليكفروا بالحق، كل جبار عنيد، نكتبُ على عبادنا المؤمنين، وذاقيل الذين كفروا، كما آمن عبادنا، انومن كما آمن السفهاء. الا انهم هم السفهاء ولكنهم لا يعلمون، فهى كالحجارة او اشد، فتولوا وارحموا انفسكم، لعلكم ترحمون، فى الشهر الحرام، وما حرمنا خلالا وما حللنا حراما، وانه لا يفلح المفترون، فى الدنيا وفى الآخرة الى اشد العذاب، وما نحن بغافلين عما يفعلون، والله معكم ولن يركم اعمالكم، لهم عذاب النار، ويردون اسفل سافلين، على صراط مستقيم، وقد كفرتم، اولئک هم عبادنا الصالحين، ولهم جنات النعيم هم فيها خالدون، ولو كره المجرمون، يبين الرشد من ابغى فلا اكراه فى الدين وغیرہ وغیرہ آیات اور قرآنی آیات میں اسی طرح کے بے شمار من مانی حذف واضافہ کرکے یہ کتاب گڑھی کی گئی ہے، من مانی حذف واضافہ کی کچھ مثالیں اور ملاحظہ کریں۔

۱۔ وليس البران تولوا وجوهكم قبل الجنوب والشمال ولكن البرمن آمن بنا و عمل بسنتنا التى تامر بالمعروف امرا مفعولا و نهى عن الفحشاء و المنكر والبغى نهيا مفعولا ۔ ص: ۸:۳۷

۲۔ والذين كذبو بآياتنا واستكبرو عنها لا تفتح لهم ابواب السماء ولا يدخلون الجنة حقى بلغ الجمل فى سم الخياط فتولوا وارجعوا الى الذين القيم والسبيل القديم۔ ص ۱۰:۳۹

۳۔ ولن اتبعتم اهواء هم بعد الذى جاء كم من العلم والهدى فى الفرقان الحق فقد كفرتم ومالكم من ولى ولا نصير۔ ص: ۱۲:۳۹

عیسائیوں کے اس نام نہاد فرقانِ حق کو پڑھنے کے بعد قرآن کے اعجاز و بلاغت اور اس کے دائمی معجزہ ہونے کے یقین محکم کو مزید تقویت ملتی ہے۔

اعجازِ قرآن: جب ہم قرآنی آیات کے اسلوب پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں بعض ایسی خوبیاں پاتے ہیں جو دنیا کی دیگر کتابوں میں مفقود ہیں۔ بطور امثال ہم مندرجہ ذیل جہت سے قرآن کا جائزہ لے سکتے ہیں:

الف : اسلوب بدیع

ب : اُمی رسول کا لاثانی کلام

ج : پیشین گوئیاں

و : انسانی فہم سے بالاتر بلاغت

الف. اسلوب بدیع: بدیع کا لغوی معنی انوکھا، نادر اور نو ایجاد کے ہیں لیکن اصطلاح میں بدیع وہ علم ہے جس میں کلام کی لفظی و معنوی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں نزول قرآن سے پہلے عرب میدان قصاید اور خطبے نیز رسائل و محاورات میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے تھے۔ ان مذکورہ چار اسلوب کے علاوہ وہ کسی پانچویں اسلوب کا تصور تک نہیں رکھتے تھے۔ اس پس منظر میں حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر ایک خاص قسم کے ممتاز اسلوب کی ایجاد جو کہ اس سماج کے مروجہ اسالیب کے علاوہ ہے بے شک ایک اعجاز ہے۔

ب. اُمی رسول کا لاثانی کلام: صاحبِ قرآن کا اُمی ہونا پورے عرب معاشرہ کو تسلیم تھا لیکن اس کے باوجود آپ قرآن پاک کی بہت ساری ایسی آیات کی تلاوت کرتے تھے جس سے اُمَمِ سابقہ کی تاریخ کی تفصیل اور کتب سابقہ کی تصدیق ہوتی تھی۔

ج. پیشین گوئیاں: قرآن کریم میں بہت سی ایسی آیات ملتی ہیں جن کا تعلق مستقبل کی پیشین گوئیوں سے تھا۔ چونکہ انسان اپنے حواسِ خمسہ کی بنیاد پر صرف ماضی اور حال سے ہی واقف ہوتا ہے، آئندہ کے واقعات سے واقف ہونا حواسِ خمسہ کی ادراک سے خارج ہے لہٰذا مستقبل سے وابستہ آیات میں جس واقعہ کا اشارہ کیا گیا تھا اور اس کا بعینہٖ ظہور پذیر ہونا قرآن کا ایک عظیم اعجاز متصور ہوگا۔

د. انسانی فهم سے بالاتر بلاغت: اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ عرب فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور ان کو اپنی زباں دانی پر بڑا ناز تھا مگر قرآنی بلاغت کے سامنے ان کے چراغ گل ہو گئے اور ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ صرف قرآن کی ایک بظاہر بہت ہی چھوٹی سی ''سورہ الکوثر'' کی آیت ''انا اعطینک الکوثر '' کو دیکھ کر عرب کا مایہ ناز شاعر و مفکر امرؤ القیس نے برجستہ کہا کہ ماھذا کلام البشر؟

قرآن میں استعمالِ سادگی اور بے تکلفی سے پُر چست بندشوں کے ساتھ شیریں کلمات کی وجدانی کیفیت کو ماہرینِ علم وفن اور بلند پایۂ ادیب و مفکر ہی جان سکتے ہیں۔ عوام کو اس علم میں کوئی درک حاصل نہیں۔ سورۂ اعراف، ہود، شعراء میں مذکورہ واقعہ کا مطالعہ کریں اور پھر اس کے بعد سورہ صافات کو پڑھیے اور پھر انہیں واقعات کو سورہ ذاریات میں دیکھیے۔ ایک ہی قصہ کو مختلف سورہ میں مختلف اسلوب کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود مرکزی خیال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علاوہ ازیں عذاب و ثواب کے متعلق اسلوب مخاطبت الگ تذکیر بآلا اللہ اور تذکیر بایام اللہ کا طرز مخاطب الگ ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دیگر کتب وصحائف کے مقابلے میں قرآن اپنے طرز تخاطب، انداز بیان، علم بدیع اور کلام کی بنیاد پر اعجاز کے اس عظیم ترین بلند مقام پر ہے جہاں دوسروں کی پہنچ ممکن ہی نہیں۔

شانِ رسالت مآب میں گستاخیاں: قرآن کا جادو صفی اور مہدی کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔ مگر نام نہاد فرقان حق کے ان دونوں محرروں نے ہمارے نبی کریم صاحب ختم المرسلین ﷺ کا بغیر نام لیے اپنی دانست میں آپ پر سخت سے سخت حملہ کیا ہے۔ پوری کتاب میں ہمارے آقا ﷺ کے لیے یہ دونوں ولید بن مغیرہ کے فطرت زاد بھائیوں نے بہت گھٹیا اور معیارِ انسانیت سے گرا ہوا اسلوبِ مخاطبت استعمال کیا ہے۔ یہ دونوں باغی حق نے قلم وقرطاس کی عظمت کو مجروح کیا ہے۔ تقریباً تمام ابواب کے ابتدا میں اپنے من گھڑنت بسملہ لکھنے کے بعد اپنی خرافات کو اس جملے سے شروع کرتے ہیں:

"یا یھا الذین ضلوا من عبادنا"

O, you who have gone astray form among our worshipers.

یا أهل البغضاء من عبادنا الضالین

O, you who have enmity within you

براورانِ ولید بن مغیرہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ولو کنتم انبیاء و اوتیتم الحکمة واطلعتم علی الغیب و آتیتم بالمعجزات دون محبة فلا حول لکم ولا منہ دائما انتم مفترون

If you were prophets, endowed with wisdom peering through the supernatural and performing miracles, yet without love, you will stili lack integrity, neither is nay goodness residing in you. For in reality you are hypocrites. p. 12, v:2

یا هل الکفران من عبادنا الضالین

O, you who have blasphemed, yet still claim to be counted among our faithful followers. p. 30, v. 1.

نام نہاد فرقانِ حق میں تحریر شدہ سورۃ النساء کی نام نہاد آیات ملاحظہ کریں:

"تقولون ان الرجال قوامون علی النساء واللاتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن فما مزز بشرعة الغاب بین الآسان و بین البهائم والانعام"

You pronounce "Men are a degree above women and those of whom you fear rebellion exhort, leave in beds aparts, beat and scourge them." What, then, is the difference between the law of the jungles of beast and bird from the law of the human race?

فالمراۃ بشر عتکم نصف وار ث فل انـذکر مثل حظ الانثیین وھی نصف شاھد فان
لم یکن رجلان فرجل وامرأتان فالرجال علیھن درجۃ وھذا عدل الظالمین.

A women, according to your Sharia, is onehalf of an inheritor. "The male has twice the inheritance of a female", To make bad things worse, she is one-half of a witness. "And if there are two men, than one man and two women, because men are a degree above women. whithout a question، this is the law of the unjust. p. 119, 120, v:4,5.

فالمراۃ بشرعتکم پس عورت تمہاری شریعت میں نصف وراثت کی حق دار ہے، سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ذاتِ رسالت مآب کو اس نام نہاد فرقانِ حق میں خصوصی طور پر تنقیص وتوہین کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ آپ کی نبوت کا انکار، قرآن کی صداقت کا انکار کچھ اس طرح کے دل آزار پیرایۂ بیان میں کیا گیا ہے جسے پڑھ کر کسی بھی غیرت مند شخص کی غیرت مشتعل ہوجائے گی۔ میں انتہائی ضبط وصبر کے ساتھ ان دونوں نام نہاد مصنفین سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے اسلام نے عورتوں کو وراثت میں نصف حصہ تو دیا۔ جب کہ عورتوں کو اس وقت دنیا کے کسی بھی سماج میں نہ کوئی باعزت مقام حاصل تھا اور نہ وراثت میں سے انہیں کچھ بھی ملتا تھا۔ مگر تمہارے ''باپ''، ''کلمہ'' اور ''مقدس روح'' نے بائبل کے مطابق مصلوب ہونے سے پہلے اپنے زمانہ میں عورتوں کو وراثت میں کیا حصہ دیا؟ اناجیل سے کوئی آیت، کوئی نظیر پیش کرکے بتاؤ۔ بائبل کے یسوع مسیح جو عیسائیوں کے نزدیک باپ بیٹا یا کلمہ اور مقدس روح یعنی اقانیم ثلاثہ میں سے کوئی ایک ہیں انھوں نے اناجیل کے مطابق اپنی حیات میں اپنی ماں بہن سے بے رغبتی ظاہر کی اور بعض مقامات پر ان سے تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا۔ ملاحظہ کریں متی۔ ۱۲:۴۹،۴۸، یوحنا۔۲: ۵ یونہی بائبل کے مسیح نے ایک کنعانی ضرورت مند عورت کو مدد کرنے سے انکار کردیا، متی ۱۵:۲۵

حیرت ہے کہ اس طرح کے یسوع مسیح کے پیروکار ہمارے نبی کریم ﷺ پر طنز واستہزا کرتے ہیں جن کا خود دامن داغ دار ہے۔ ہاں بیشک قرآن نے کہا ہے کہ مرد عورتوں پر نگہبان ہیں۔ (نساء:۳۴)

Men are inchrge of women

یہ حکم عورتوں کے تحفظ اور بقا کے لیے ہے نہ کہ خوف اور وحشت دلانے کے لیے۔ کیا یہ محررین آزادیٔ نسواں کے نام پر ویسی ہی چھوٹ چاہتے ہیں جیسا کہ عیسائی معاشرے میں عورتوں کو حاصل ہے، جو بغیر شادی کے ہی بہت کم عمر میں حاملہ ہوجاتی ہیں۔ کچھ اسقاط کراتی ہیں اور کچھ ولادت کے عمل سے گزر کر اپنی ناجائز اولادوں کو ''چیپی ہوم'' میں ڈال کر آزاد ہوجاتی ہیں۔ ان مادر پدر آزاد ناجائز اولادوں کا مستقبل

کیا ہوگا؟

قرآن کا دائمی چیلنج: قرآن نے ہمیشہ اہل علم کو دعوتِ مطالعہ دی ہے اور اس چیلنج کے ساتھ کہ، اے علم والو! ضرور میرا مطالعہ کرو، اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ میرا مطالعہ کرو! اگر میں کائنات عالم کے خالق کا کلام نہیں ہوں تو تم مجھ میں یقیناً اختلاف پاؤ گے، بلکہ قرآن نے پوری دنیا کے تمام دانشور طبقے کو بڑی جرأت کے ساتھ چیلنج دیتے ہوئے پہلے تو یہ کہا:

۱۔ ''کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ قرآن خود گڑھ لیا ہے، آپ فرمایئے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گڑھی ہوئی اور بلالو (اپنی مدد کے لیے) جس کو بلاسکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اگر تم (اس الزام تراشی میں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے) سچے ہو''۔ سورہ ہود آیت: ۱۳''۔

پہلے قرآن نے اپنی مثل دس آیتیں مخالفین سے کہا بنا کے لاؤ، پھر ان کو ذرا ڈھیل دی، اور کہا کہ اچھا چلو:

۲۔ ''اور اگر تمھیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سورہ اس جیسی اور بلالو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو، پھر اگر ایسا نہ کرسکو، اور ہرگز نہ کرسکوگے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے''۔ البقرہ آیت ۲۳،۲۴:

اور زیادہ مہلت اپنے مخالفین کو دیتے ہوئے قرآن نے کہا:

۳۔ ''کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے خود ہی (قرآن) گڑھ لیا ہے درحقیقت یہ بے ایمان ہیں۔ پس (گڑھ کر) لے آئیں وہ بھی اس جیسی کوئی (روح پرور) بات اگر وہ سچے ہیں۔'' الطور آیت: ۳۴

لیکن کیا کوئی قرآن کا جواب، اس جیسی دس آیت یا اس کے مثل کوئی ایک سورۃ یا اس جیسی کوئی روح پرور بات آج تک دنیا کے سامنے پیش کرسکا۔ تمام تر اپنے حمایتیوں کی مدد کے باوجود۔ نہیں! کیوں کہ یہ ناممکن ہے۔ کسی بھی بشر یا انسان کو علومِ قرآن کے مفہوم سے کما حقہ واقفیت ہے ہی نہیں تو جواب کیا لکھے گا۔

مفہوم علوم قرآن: صاحب الفوز الکبیر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے نزدیک معنی قرآن سے جو مفہوم واضح ہوتا ہے وہ مندرجہ ذیل پانچ علوم سے باہر نہیں ہے:

۱۔ علمِ احکام

۲۔ علمِ مناظرہ

۳۔ علمِ تذکیر بآلاء اللہ

۴۔ علمِ تذکیر بایام اللہ

۵۔ علمِ تذکیر موت لے

الف۔ علمِ احکام: اس علم سے مراد واجب، مستحب، مکروہ یا حرام کی تفصیل ہے۔ یہ احکام خواہ عبادت سے متعلق ہو یا معاملات سے۔ تدبیر منزل سے ہو یا سیاست مدن سے۔ اس علم کی تفصیل فقہائے کرام کے ذمہ ہے۔

ب۔ علمِ مناظرہ: پیروانِ باطلہ کے بنیادی مصادر اربعہ یعنی یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے عقاید باطلہ کو تفصیل سے بیان کرنا اور ان کے علمی وفکری، کج روی وقباحت کو ظاہر کرنا اور اس کو رد کرنا، ان کے شبہات کو [illegible] کرنے [illegible] کے لیے ادلہ قطعیہ یا خطابت کے ذریعہ حل کرنے کی سعی کا نام مناظرہ ہے اور اس فن [illegible] سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس فن کے ماہرین کو متکلمین کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ج۔ علمِ تذکیر بایام اللہ: قرآن پاک میں مذکور یہ وہ علم ہے جس سے مراد ان واقعات سے ہے جن کو رب تعالیٰ نے کسی خاص موقع کے لیے ایجاد فرمایا جیسے اطاعت کرنے والوں کو انعام و جزا، اور نافرمانی کرنے والوں کو سزا وغیرہ۔

د۔ علمِ تذکیر بآلا اللہ: اس علم سے مراد باری تعالیٰ کے صفاتِ کاملہ کا صحیح عرفان حاصل کرنا اور تخلیق الٰہیہ سے معرفت حاصل کرنا ہے۔ مثلاً زمین و آسمان پیدا کرنے کی حکمت، بندوں کو ان کی تمام جسمانی ضروریات کا الہام وغیرہ۔

ہ۔ علمِ تذکیر موت: اس علم سے مراد تخلیق انسانی کا اصل مقصد، زندگی بعد موت کا بیان، نیز قیامت حشر نشر حساب و کتاب اور میزان و جنت و دوزخ سے ہے۔ ان علوم کی تفصیل کو محفوظ رکھنا اور ان کے مناسب احادیث و آثار کو ملحق کرنا واعظوں اور مذکروں کا کام ہے۔

کیا یہ تمام خوبیاں انسانی کلام میں پائی جاتی ہیں؟ نہیں تو پھر اس کلامِ الٰہی کے مقابلے پر کیوں آتے ہو۔

قرآن آج بھی معجزہ ہے: جی ہاں قرآن آج بھی معجزہ ہے۔ آپ جس جہت سے اس کا مطالعہ کریں آپ کو اس میں ایک ایسا انوکھا پن ملے گا جو دنیا کے کسی کتاب کے مطالعے سے نہیں ملے گا۔ آج سے تقریباً ۱۴ سو سال پہلے قرآن عظیم نے جو کچھ کہا وہ تمام حقائق ہر حال میں ہمیشہ سچ ثابت ہو رہے ہیں۔ قرآن کریم کی ایک سورہ کا حیرت انگیز معجزانہ پہلو ملاحظہ کریں سورۃ حٰمٓ السجدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) تم وہ کرو جو تمہاری مرضی۔ یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو وہ خوب دیکھ رہا ہے۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کے ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا۔ (تو بہت ہٹ دھرم لوگ ہیں) اور بے شک یہ بڑی عزت (حرمت) والی کتاب ہے۔ اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اتری ہوتی ہے بڑے حکمت

والے سب خوبیاں سراہے۔ (یعنی اللہ) کی طرف سے (حٰم:۴۲،۴۰)

قرآن کی آیتوں میں اضافہ کرنے کا ذکر نزولِ قرآن کے زمانے ہی میں یعنی ۶۱۰ء تا ۶۳۳ کے درمیان بیان کردیا گیا۔ حالانکہ اس میں منظم طور سے اضافہ یعنی ہر آیت میں پیوندکاری ۱۹۹۹ء میں کر کے بطور کتاب بنام نام نہاد ''فرقانِ حق'' شائع کی گئی ہے۔ کیا یہ قرآن کا اعجاز نہیں ہے، کہ ۱۹۹۹ء سے ۱۳۶۶ سال پہلے اس مذموم حرکت کی اس میں خبر دے دی گئی ہے۔ لیکن قرآن تو انتہائی محفوظ ہے۔ اس طرح کی چال بازی اور کوئی بھی سازش جو قرآن کے خلاف کی گئی، کی جاتی ہے یا کی جائے گی، اس سے قرآن پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ کیونکہ خالق کائنات ارض وسما جس نے قرآن کو نازل کیا ہے اس ذات باری تعالیٰ نے خود اپنے فضل وکرم سے اس قرآن عظیم اور فرقانِ حمید کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔ یہ کتاب کسی انسان کی حفاظت میں نہیں ہے بلکہ خود اللہ کریم کی حفاظت میں ہے۔ جو سب سے بڑا حکمت، قدرت اور عظمت وعزت والا ہے، اب کون ہے کائنات میں ایسا جو اس کی حفاظت میں اثر انداز ہو سکے۔ قرآن کے خلاف ہمیشہ سے سازش جاری ہے، لیکن قرآن کی عظمت اور وقار میں داخلی اور خارجی اعتبار سے کسی بھی طرح کوئی فرق نہیں پڑا۔ قرآنی نسخوں میں تحریف کرنے کے علاوہ اس کو ضائع کرنے کی سازش بھی تو ہو چکی ہے، جس کے محرک نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری تھے۔ یہ عجیب وغریب حادثہ صلیبی جنگوں سے تقریباً ۱۵۔۲۰ سال پہلے کا ہے۔ انگلستان کے بادشاہ رچرڈ نے بارہویں صدی عیسوی میں سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمہ سے صلیبی جنگوں میں شکست کھانے سے پہلے انگلستان، فرانس، جرمنی اور اسپین کے چیدہ چیدہ پادریوں کو اکٹھا کیا۔ اس اجلاس میں رچرڈ نے یوں تقریر کی۔

''اے کلیسا کے محافظ چار سال قبل جب میں نے آپ کو خطاب کیا تھا تو یہی تجویز طے پائی تھی کہ دین محمدی کو نیست و نابود کرنے کے لیے دنیائے اسلام میں جتنے بھی قلمی قرآنی نسخے ہیں وہ خرید لیے جائیں، اور ان کو جلا دیا جائے، نہ ہی مسلمانوں کی مقدس کتاب باقی رہے گی، نہ ہی ان کا دین ترقی پذیر ہو سکے گا۔ ہمارے نمائندوں نے ترکی اور مصر میں ہزاروں قرآنی نسخے خریدے اور بعد میں ان کو جلا دیا۔ لیکن ہمیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے تو قرآن کو حفظ کیا ہوا ہے۔ اس طبقے کو حفاظ کرام کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی نسخہ گم ہو جائے تو قرآن کے حافظ اپنے کاتبوں سے دوبارہ نئے نسخے تیار کرا دیتے ہیں۔'' [۲]

تحریف وخیانت عیسائیوں کی عادت ہے: کتمانِ حق اور سازش رچنے کا وطیرہ تو پہلے یہود ہی کا شعار رہا ہے۔ مگر یہ عیسائی اس فن میں اپنے استاد یہودیوں سے کئی ہاتھ آگے بڑھ گئے ہیں۔ پہلے انھوں نے یہودیوں کی مقدس کتاب ''توراۃ وزبور'' میں من مانی تحریف کی جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ ابھی حال

ہی میں اس طرح کی تحریف پر ایک یہودی مذہبی عالم نے عیسائیوں کے خلاف بڑا زبردست واویلا مچایا ہوا ہے۔ ملاحظہ کریں انٹرنیٹ کی سائٹ:

http://www.torahatlanta.com/evidence.html

وہ کتابیں جن کو یہود "تناخ" کے نام سے مرتب کر کے اپنی مذہبی کتاب تسلیم کرتے ہیں ان کو عیسائیوں نے حذف و اضافہ کے ساتھ عہد نامہ قدیم "Old Testament" کے نام سے اپنے عہد نامہ جدید New Testament کے ساتھ شامل کرلیا ہے۔ ویب سائٹ پر یہ یہودی عالم شواہد میں تحریف Tampering with the Evidence کے عنوان سے کہتا ہے۔

"مشنری چاہتے ہیں کہ آپ عہد نامہ جدید یعنی موجودہ انجیل پر ایمان لائیں، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے دعوؤں کو "تناخ" کی تائید حاصل ہے۔ ان دعوؤں کے قابل اعتماد ہونے کا جائزہ لینے کے لیے آیئے! اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ (عیسائی) یہودی کتب مقدسہ کا استعمال کتنی دیانتداری سے کرتے ہیں۔

تناخ کے ساتھ ساتھ عہد نامہ جدید کا محتاط مطالعہ یہ منکشف کرتا ہے کہ وہ اپنے موقف کو تعبیر کرنے کے لیے بہت زیادہ دھوکوں "Deception" کا استعمال کرتے ہیں۔ عہد نامہ جدید کے مصنفین تناخ میں یسوع (ویب سائٹ میں استعمال لفظ کا صحیح ترجمہ یہی ہے۔ چشتی) کی تصویر اتنی کثرت سے نصب کرنا چاہتے تھے جتنا ممکن تھا۔ لہٰذا ہم دیکھیں گے کہ انھوں نے شواہد کا کتنا بعید از قیاس استعمال کیا۔ اس رہنما مطالعہ سے آپ جو دو بنیادی سبق سیکھیں گے وہ یہ ہیں:

۱۔ اصل صورت حال کے حصول کے لیے یہودیت میں تناخ کی ہر ورس "Verse" کو شامل ہونا چاہیے۔ خواہ وہ ورس ہماری مدح سرائی کرتی ہو یا ہمارے عیوب کی وجہ سے ہم پر شدید تنقید کرتی ہو۔ مشنری نہ تو ہر ورس کا حوالہ دیتے ہیں نہ اور نہ دے سکتے ہیں۔ وہ تناخ کے اہم حصوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کیوں کہ بہت سی ورسیں اس تصویر کے متضاد ہیں جسے وہ گڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ صرف ان کے ادب کو ہی دیکھ لیں کیا یہ انھیں یہ شامل کرتا ہے یا کرسکتا ہے:

الف۔ "خدا کوئی انسان نہیں ہے کہ وہ جھوٹ بولے اور نہ وہ آدم زاد ہے کہ اپنا ارادہ بدلے۔ کیا جو کچھ اس نے کہا اسے نہ کرے؟ یا جو کچھ فرمایا ہے اسے پورا نہ کرے" (گنتی: ۱۹:۲۳)

God is not man, that he should lie, or a son of man, that he should repent. Has he said, and will he not do it? or has he spoken, and will he not fulfill it (Number 23:19)

ب۔ "امرا پر بھروسہ نہ کرو اور نہ ہی ابن آدم پر، جن کے وسیلے سے کوئی نجات نہیں ہے"۔ زبور "۱۴۶:۳/۴"

Do not Put your trust in princes, nor in the son of man, in whom, there is no salvation, Paslam146: 3,4.

۲۔ تناخ کی ہر ورس جس کا وہ حوالہ دیتے ہیں یا تو اس کا ترجمہ غلط ہوتا ہے، یا اس کا پیش کرنا غلط ہوتا ہے۔ یا وہ سیاق سے جدا کر لی گئی ہوتی ہے، یا محض گڑھی گئی ہوتی ہے۔'' ۳؎

گنتی اور زبور کی آیتوں کے حوالے سے یہودی عالم نے ان عیسائیوں کا تضاد ثابت کیا ہے کیوں کہ یہ عیسائی یسوع کو بالاستمرار بحیثیت ابن آدم ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ عہد نامہ جدید میں لکھا ہے۔ یہودی عالم بتانا یہ چاہتا ہے کہ:

''یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ اس کی وضاحت یوں ہوسکتی ہے کہ عہد نامہ جدید اور عیسائی تعلیمات کے مطابق یسوع (اصل متن کے مطابق۔ چشتی) کا لقب "Son of Man" یعنی ابن آدم ہے اور ہر انسان کی نجات Salvation ابن آدم یعنی یسوع پر ایمان لانے پر منحصر ہے، عیسائیوں کے نزدیک عہد نامہ جدید خدا کا کلام ہے۔ خدا کیوں کہ جھوٹ نہیں بولتا۔ اس لیے عہد نامہ جدید کی تعلیمات زبور/گنتی سے متضاد ٹھہرتی ہیں کیوں کہ اس کے مطابق ابن آدم پر بھروسہ سے کسی کی نجات نہیں ہے۔'' ۴؎

غلط ترجمہ کرنا یا غلط انداز میں پیش کرنا، سیاق و سباق سے جدا کر کے اپنا مطلب نکالنا یا مطلب براری کے لیے خود آیت بنالینا، گڑھ لینا یہ عیسائیوں کا طریقۂ واردات ہے جو بالکل قرآن کے ساتھ بھی یہ ایسا ہی کرتے ہیں اور نام نہاد فرقان حق میں بالکل یہی انداز اپنایا گیا ہے۔ سچ اور حقانیت کی بنیاد پر عیسائی کبھی بھی اپنا مذہب دنیا میں پھیلا نہیں سکتے، ان کی محرف کتابیں اور ان میں شامل تحریف شدہ آیات اس قابل نہیں کہ لوح محفوظ میں حفاظت شدہ قرآن کی تعلیمات اور اس کی روشن آیات کا مقابلہ کر سکیں۔ اس لیے یہ عیسائی اور دیگر دشمنان اسلام، اپنے جھوٹے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے کتمان حق کے ساتھ ساتھ تحریف و خیانت اور سازش کرنے کے لیے مجبور ہیں۔

اپنے احساس محرومی کو مٹانے کے لیے یہ چراغ اَوروں کا بجھا دیتے ہیں جو رکھتے ہیں

بائبل میں تضاد اور غلطیاں: عیسائی عہد نامہ جدید کو ہی بطور مذہبی کتاب تسلیم کرتے ہیں جن میں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی انجیل بھی شامل ہے جن کو انگریزی میں Gospel کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر موریس بوکائیے ان اناجیل کے متعلق حیرت انگیز معلومات سے اپنے قارئین کو روشناس کراتے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ کریں:

Many readers of the Gospels are ambarassed and even abashed when they stop to think about the meaning of certain description.

The same is true when they make comparisons between different versions of the same event found in several Gospels. This observation is made by Father Roguet in his book Initiation to the Gospels. With the wide experience he has gained in his many years of answering perturbed readers' letters in a Catholic weekly, he has been able to access just how greatly they have been worried by what they have read. His questioners come from widely varying social and cultural backgrounds. He notes that their requests for explanations concern texts that are considered abstruse, incomprehensible, if not contradictory, absurd or scandalous'. There can be no doubt that a complete reading of the Gospels is likely to disturb Christians profoundly.

This observation is very recent: Father Roguet's book was published in 1973. Not so very long ago, the majority of Christians knew only selected sections of the Gospels that were read during services or commented upon during sermons. Aside from the protestants, it was not customary to read the Gospels in their entirety. Books of religious instruction only contained extracts; the in extenso text hardly circulated at all. At a Roman Catholic school I had copies of the works of Virgil and Plato, but I did not have the New Testament. The Great text of this would nevertheless have been very instructive: it was only much later on that I realized why they had not set us translations of the holy writings of Christianity. The later could have led us to ask our teacher questions they would have found it difficult to answer.

''اناجیل کے بہت سے قاری جب بعض بیانات کے معنی ومفہوم پر غور وتامل سے کام لیتے ہیں تو وہ نہ صرف پریشان وششدر رہ جاتے ہیں بلکہ منفعل ومنجل بھی ہوتے ہیں۔ یہی بات اس وقت بھی صادق آتی ہے جب وہ مختلف اناجیل میں ایک ہی واقعہ کے مختلف روایتوں کے درمیان مقابلہ کرتے ہیں۔ فادر روگے نے بھی اپنی کتاب ''اناجیل کا تعارف'' (انی سیاسیوں الیوانژیل) میں یہی خیال ظاہر کیا ہے (مطبوعہ سیول، ایڈیشن، پیرس ۱۹۷۳ء) جب انہیں ''کیتھولک مذہب کے ایک ہفت روزہ'' پرچہ میں کئی سال تک پریشان خیال قارئین کے سوالوں کے جوابات دینے پڑے تو انھیں اس بات کا وسیع تجربہ اور صحیح اندازہ کرنے کا موقع ملا کہ جو کچھ ان قارئین نے پڑھا ہے اس سے وہ کس درجہ پریشان ہیں۔ ان سے سوالات کرنے والوں کا تعلق نہایت وسیع معاشرتی اور تہذیبی حلقوں سے ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ توضیح وتشریح کے لیے ان کی درخواستوں کا تعلق ایسی عبارتوں سے ہے جو دقیق، ناقابل فہم خیال کی جاتی ہیں۔ ان سے نہیں جو متضاد،

نامعقول یا اہانت آمیز ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اناجیل کا مکمل طور پر مطالعہ کیا جائے تو عیسائیوں کو بدرجہ غایت انتشار میں مبتلا کردے۔

یہ رائے حال ہی کی ہے۔ فادر روگے کی کتاب ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ [illegible] نہیں ہوا جب عیسائیوں کی بڑی تعداد ایسی تھی جس کو اناجیل کے محض غیر [illegible] حصوں سے واقفیت تھی اور یہ حصے بھی وہ ہوتے تھے جو مواعظ کے دوران پڑھے جاتے تھے یا ان پر تنقید کی جاتی تھی۔ پروٹسٹنٹوں کے ماسوا، اناجیل کا پورے طور پر مطالعہ کرنے کا رواج عیسائیوں میں نہیں تھا۔ دینی تعلیمات سے متعلق کتابوں میں صرف اقتباسات ہوتے تھے۔ مفصل طور سے متن بمشکل ہی عوام تک پہنچتا تھا۔ ایک رومن کیتھولک اسکول میں، میں نے ورجل اور افلاطون کی تصانیف کے نسخے تو دیکھے تھے لیکن عہدنامہ جدید مجھے وہاں نہیں ملا۔ اس کے باوجود یونانی متن بیحد مفید ہوتا ہے۔ یہ بات مجھے بہت بعد میں محسوس ہوئی کہ ہمارے لیے عیسائیت کی مقدس تحریروں کے تراجم کیوں نہیں کیے گئے اس سے یہ ہوتا کہ ان ترجموں کو پڑھ کر ہم اپنے معلموں سے ایسے سوالات کر بیٹھتے جن کے جواب دینے سے وہ قاصر رہتے۔'' ۵

اسی لیے قرآن نے کہا ''ولو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافا کثیرا '' اگر اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو تم کو اس میں بہت سے اختلاف ملتے:

ڈاکٹر موریس بوکائے اناجیل کے متعلق کہتے ہیں:

''اناجیل میں بہت کم ایسی عبارتیں ہیں جو موجودہ سائنسی مواد کے مقابلے میں لائی جاسکیں۔ چنانچہ پہلی بات یہ ہے کہ ان میں بہت سے بیانات معجزوں سے متعلق ہیں جن پر سائنسی اعتبار سے بمشکل نقد و تبصرہ کیا جاسکتا ہے'' ۶

ڈاکٹر موریس بوکائے مزید کہتے ہیں:

''چار انجیلوں میں سے ہر ایک میں متعدد واقعات کے بیانات ایسے ہیں جن میں یا تو کوئی ایک انجیل منفرد ہے یا اگر سب نہیں تو وہ واقعات کئی میں مشترک ہیں۔ جب وہ واقعات کسی ایک انجیل میں منفرد ہوتے ہیں اس وقت ان سے بڑے شدید نوعیت کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک انتہائی اہمیت کے واقعہ کی حالت میں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس کو صرف ایک انجیل کے مرتب نے ہی بیان کیا ہے۔ مثال کے لیے قبر سے نکلنے کے دن مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے کے واقعہ کو لے لیجیے۔ ہر کہیں بہت سے واقعات کو مختلف طریقوں پر بیان کیا گیا ہے۔ بعض دفعہ تو واقعی بہت ہی مختلف ہوجاتے ہیں اور یہ اختلاف دو یا زیادہ انجیل کے مرتبین کے یہاں دکھائی دیتا

ہے۔ عیسائی اکثر اوقات انجیلوں کے مابین اس قسم کے اختلاف کی موجودگی پر حیران وششدر رہ جاتے ہیں اس صورت میں کہ وہ اختلافات ان کے علم میں آجائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو انتہائی تیقن کے ساتھ بار بار بتایا جاتا ہے کہ عہد نامہ جدید کے مصنفین ان واقعات کے جو وہ بیان کرتے ہیں، عینی شاہد تھے۔

یہواہ کے گواہ Jehovah's witnesses نامی عیسائی فرقے کے میگزین اویک Awake کا ۸رستمبر ۱۹۵۷ء کا شمارہ اس چونکا دینے والی شہ سرخی کے ساتھ شائع ہوا:

''بائبل میں ۵۰۰۰۰ ہزار (پچاس ہزار) غلطیاں ہیں (۴)

عیسائی فطرت اور ہمارا طرز عمل: عیسائی اپنے ان گھناؤنے عیوب کو چھپانے کے لیے اس طرح کی انسانیت سوز حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کا مقصد کیا ہے؟ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان ایک جذباتی قوم ہے۔ ایک گنہ گار مسلمان بھی اللہ رب العزت، قرآن کریم اور اپنے آقا ومولا حضرت محمد ﷺ سے بے انتہا عقیدت ومحبت رکھتا ہے۔ اس لیے اس طرح کی مذموم حرکتوں سے ان کے جذبات کو مشتعل کرو تاکہ وہ بھڑک کر جوش وجذبے میں انتقاما سڑکوں پر نکل آئیں۔ اور پھر ہم ان کے خلاف پوری دنیا میں زبردست پروپیگنڈہ کریں کہ یہ مسلمان انسانیت دشمن ہیں۔

غیر مہذب اور وحشی ہیں۔ ان میں اخلاق ومروت Tolerance نہیں ہے۔ یہ تکثیری سماج میں رہنے کے لائق نہیں ہیں۔ یہ مطلق العنان اور فرعونی مزاج رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہ انسانیت سے گرے ہوئے اور جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ یہ دہشت گرد ہیں۔ اس لیے مہذب سماج کو ان دہشت گردوں کے خلاف پوری طاقت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوجانا چاہیے اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹادینا چاہیے۔ یہ ہے ان عیسائی اور اسلام دشمن طاقتوں کا منظم پلان۔ مسلمان دہشت گرد، اسلامی دہشت گرد جیسی اصطلاحات عالمی میڈیا نے استعمال کرکے مسلمانوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں مسلسل پوری لگن کے ساتھ کام کیا ہے۔

ان حالات میں بحیثیت مسلمان ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس پر غور وفکر کرنا ہوگا! اگر انتہائی تحمل، بردباری اور حکمت کے ساتھ Planing نہیں کی گئی، اور ایک جامع ومکمل منصوبہ بندی کا خاکہ نہیں بنایا گیا تو ہمیں ان کی جانب سے مستقبل میں مزید اور بھی بہت بڑا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

بسم اللہ اور نصاریٰ بسملہ کا تقابل: نام نہاد عیسائی فرقانِ حق کا ذرا بسملہ ملاحظہ کریں: ''**بسم الآب الکلمة الروح الاله الواحد الاوحد**'' اس کا انگریزی ترجمہ اس کتاب کے دونوں مصنفین نے جو کیا ہے وہ بھی دیکھ لیں، لکھتے ہیں:

In the name of the Father, the word, the holy Spirit, the one and

only true God.

اس کے برعکس ذرا قرآن کریم کا بسم اللہ بھی ملاحظہ کریں: ''بسم الله الرحمن الرحیم''

In the name of Allah, the Beneficent the Merciful

دونوں کو پڑھیے! اسلوب، انداز، طرز اور انسانی ذہنوں قلوب پر پڑنے والے لفظوں کے اثرات کا پتہ چل جائے گا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کس قدر سادہ، روح پرور اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق کتنا واضح تصور پیش کرتا ہے۔ جب کہ عیسائی بسملہ، بسم لاب الکلمۃ کو پڑھنے میں کس قدر تکلف برتنا پڑے گا اور عجمی لوگوں کی زبان پر چڑھنا اور اس کا یاد رکھنا کس قدر مشکل ہوگا یہ کسی غیر جانب دار عربی ادب کے عالم سے پوچھیے۔ اس بسملہ میں چھپے ہوئے فلسفے، نہ صرف کفر، بلکہ شرک آمیز بھی ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ کریں۔

شروع باپ، کلمہ اور مقدس روح کے نام سے جو ایک ہی ہیں سچا خدا۔ غور کریں "One and only True God" میں باپ، کلمہ اور مقدس روح تینوں شامل ہیں۔ اس کے باوجود ان کا خدا سچا اور ایک ہی ہے۔ یہ وہی فلسفۂ تثلیث ہے جس کے متعلق ڈاکٹر گستاولی بان نے لکھا:

''اگر کسی عیسائی سے مسئلۂ تثلیث یا مسئلۂ تبدیل جنس یا مثل ذالک اعتقادی معموں کے بابت پوچھا جائے تو جب تک وہ علم کلام کا ماہر نہ ہو اور منطق کی تمام تر باریکیوں پر عبور نہ رکھتا ہو۔ ہرگز جواب نہ دے سکے گا۔'' 9

باپ، کلمہ اور روح کا معاملہ عیسائیوں کے گلے میں ایک ایسی ہڈی کے مانند پھنس کے رہ گیا جسے نہ تو وہ اگل پاتے ہیں اور نہ نگل پاتے ہیں۔ اور سب سے لطف کی بات تو یہ ہے کہ جب سے یہ مسلم دانشوروں اور علما سے مناظرہ میں پے در پے شکست کھا چکے ہیں انھوں نے اپنی بائبل کے اس کلمے میں بھی ترمیم کردی ہے۔ مشہور مسلم ماہر عیسائیت علامہ احمد دیدات ''عقیدۂ تثلیث کا خاتمہ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"For there are three that bear record in heaven, the FATHER the WORD, and the HOLY GHOST: and these three are one

(1st Epistle of jhon 5:7. AV)

(یوحنا کا پہلا عام خط باب ۵ آیت ۷ مگر اس آیت میں اب تحریف ہے اور اس کو بدل دیا گیا ہے)

انگریزی بائبل کے اتھورائزڈ ورژن میں شامل یہ (مذکورہ) آیت اس عقیدے کا اصل ماخذ ہے جسے عیسائی تثلیث مقدس کہتے ہیں۔ عیسائیت کا یہ کلیدی پتھر بھی بائبل کے زیر بحث نظر ثانی شدہ معیاری نسخے یعنی ریوائزڈ اسٹینڈرڈ ورژن سے بغیر کسی ادنیٰ وضاحت کے اکھاڑ پھینکا گیا ہے۔ یقیناً یہ ایک ''مقدس'' فریب تھا جسے انگریزی بولنے والے لوگوں کے لیے تیار کیے جانے والے بائبل کے اس معیاری نسخے سے بالکل بجا طور پر نکال دیا گیا ہے لیکن باقی ۱۴۹۹ زبانیں بولنے والے لوگوں کی بائبلوں میں یہ مغالطہ بدستور

موجود ہے۔ لہٰذا ان کے پڑھنے والے قیامت کے دن تک سچائی سے آگاہ نہیں ہوسکیں گے۔ بہر حال ہم مسلمانوں کو ایک بار پھر آر ایس وی کے مصنفین کو مبارکباد پیش کرنی چاہیے کہ انھوں نے دیانت داری سے کام لیتے ہوئے انگریزی بائبل کے اس نسخے کو ایک اور غلط عقیدے سے پاک کردیا اور اس طرح اپنی مقدس کتاب کو اسلام کی تعلیمات سے قریب تر لانے میں ایک اور پیش قدمی کا اعزاز حاصل کرلیا۔ کیوں کہ قرآن پاک بھی ٹھیک اسی معاملے کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتا ہے:

ولا تقولوا ثلثة	اور نہ کہو کہ "تین" ہیں
انتهو خير لكم	باز آجاؤ؛ یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے
انما الله اله واحد	اللہ تو بس ایک ہی الہ ہے۔ ۱۰

(القرآن: النساء۴:۱۷۱)

تحریف کے بعد موجودہ دور کی بائبل میں اب یہ آیت یوں ہے:
"اور گواہی دینے والے تین ہیں: روح، پانی اور خون اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں (یوحنا کا پہلا عام خط باب ۵ آیت ۷)"
کیتھولک بائبل میں انگریزی میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے:

There are three witnesses the spirit, the water and the blood and theee three agree

(1st letter of john 5:7 R.S.V)

کیتھولک بائبل میں لفظ Witnesses پر ایک اسٹار بنا ہوا ہے اس کی وضاحت میں لکھا ہوا ہے:

There are three witnesses: After these words, the Vulgate adds the following: "in heaven, the Father, the Word, and the Holy Ghost. And these three are one. And these are three that give testimony on earth." This passage known as the Comma Johanneum cr "The Three Heavenly Witnesses," is first found in the Latin (fourth century), and does not appear in any Greek New Testament manuscript before the sixteenth century. It is probably a marginal glass which found its way into the text.

The Holy Bible - R.S.V. Print 1969, By Nelson & sons, Ltd London,p.25

یہ عجیب وغریب نصرانی بسملہ جو فصاحت و بلاغت کا منھ چڑھاتے ہوئے نظر آرہا ہے۔ اس پر کئی جہتوں سے کلام کیا جاسکتا ہے۔ یہ، بسم الآب الکلمۃ الروح الا لہ الواحد الاوحد یعنی

"Say in the Name of the Father, the Word the holy Spirit, the one and only true God"

جس میں باپ، کلمہ اور مقدس روح تینوں مل کے ایک خدا ہیں۔ یہ کوئی عیسائیوں کا نیا عقیدہ تو ہے

نہیں۔ یہ تثلیث کا عقیدہ تو انھوں نے اہل ہند، میسوپوٹامیا، مصر و روم اور یونان کی قدیم بت پرست قوموں سے لیا ہے۔ یہ تمام قومیں یسوع مسیح کی پیدائش اور ان کو باپ، بیٹا اور مقدس روح بننے سے پہلے ہی تثلیث فی التوحید کے قائل تھیں۔ ان کے یہاں اقتدا کی تین صورتیں تھیں اور ان قوموں کا تثلیثی تصور یوں تھا:

	کام	میسوپوٹامیا	ہندستان	یونان	روم
ا۔	پیدا کرنے والا	انو	برہما	زریس	جوپیٹر
۲۔	پالنے والا	ای آ	وشنو	پوریڈان	نیپچون
۳۔	مارنے والا	بعل	شیو (مہیش)	ہیڈلس	پلاٹو

اس مذکورہ حقائق کے پیش نظر عیسائیوں کے اس بسملہ کی کیا خصوصیت ہے؟ جس کو پڑھا جائے۔ اس طرح کے تمام تصورات کل بھی شرک تھے، آج بھی شرک ہیں، اور کل بھی شرک رہیں گے۔ جس کو سمجھ دار عیسائیوں نے خود اپنے محرف بائبل سے نکال دیا ہے۔ اسے دوبارہ رائج کرانے کی کوشش کرنا بھی وہ ''فرقان حق'' کے نام پر انسانیت کے ساتھ بھیانک مذاق ہے۔ مگر عیسائیوں کی اس حرکت سے قرآن کی اس آیت کی تصدیق ہوتی ہے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ یہ نصاریٰ اپنے صحیفوں میں تحریف و خیانت کرتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن کا بسملہ یعنی ''بسم اللہ الرحمن الرحیم''

In the name of Allah, the Beneficent the Merciful

یہ بسم اللہ تو عہد نامہ قدیم میں شامل کتاب استثناء کی ان آیات کے مطابق ہے جس میں حضرت موسیٰ نے کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل: ''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تونے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن ''حورب'' میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی نظارہ ہوتا کہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔ لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا، یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے۔ تو وہ نبی قتل کیا جائے۔ اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے اسے ہم کیوں کر پہچانیں؟ تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی

ہے تو اس سے خوف نہ کرنا۔'' (استثناء ۱۸: ۱۵ تا ۲۲)

اگر عیسائی اپنی کتاب میں شامل مذکورہ آیت پر ایمان رکھتے ہیں تو ان آیات کی روشنی میں حق و باطل کا فیصلہ خود ہی کرلیں۔ حضرت موسیٰ سے خدا نے کیا کہا ہے! کہ ''میں ایک نبی (اے موسیٰ) تمہارے مانند تمہارے بھائیوں میں سے ہی برپا کروں گا۔'' مقام غور ہے کہ یہاں خدا نے بنی اسرائیل سے کہا ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے نبی برپا کروں گا۔ تمہارے خاندان میں سے نہیں۔ اس پس منظر میں حضرت ابراہیم کی اولاد حضرت اسماعیل و حضرت اسحٰق کیا آپس میں دونوں بھائی نہیں ہیں؟ دوسری بات کہ وہ آنے والا نبی میرا نام لے کر جو کچھ کہے گا اس کا ماننا لازمی ہوگا۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو میں تم سے اس کا حساب لوں گا۔ میرے نبی کریم نے جو کچھ کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ ہی کہا ہے۔ خدا نے حضرت موسیٰ سے یہ کہاں کہا کہ آنے والا نبی باپ بیٹا اور مقدس روح کے نام سے ابتدا کرے گا۔ وہاں تو صرف حکم یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہے گا میرے نام سے کہے گا۔ کیا توریت، زبور اور انجیل کے مطابق خدا کا نام باپ، بیٹا اور مقدس روح ہے؟ اور اگر ایسا ہی تھا تو اے عیسائیو! تم نے اپنی مقدس کتاب سے باپ بیٹا اور روح کو کیوں نکال پھینکا۔

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ حضرت عیسیٰ کسی طرح سے بھی حضرت موسیٰ کی مانند نہیں ہیں جب کہ حضرت موسیٰ اور نبی کریم میں حیرت انگیز مماثلت ہے، حضرت موسیٰ اور نبی کریم دونوں کی پیدائش فطری، دونوں کی حیاتِ دنیاوی کا ہر واقعہ مشہور و معروف، دونوں نے ہجرت کی، دونوں نے باطل کے خلاف اعلانِ بغاوت کیا، دونوں کو پہلے ان کی قوم نے نکارا مگر بعد میں والہانہ انداز میں قبول کیا، دونوں کے ہاتھوں میں رب قدیر نے زمامِ حکومت و اقتدار کو سونپ دیا۔ فریضۂ نبوت کو بحسن خوبی دونوں نے انجام دیا۔ دونوں نے شادیاں کیں اور ازدواجی زندگی گزاری، دونوں کی اولاد ہوئی، اور دونوں کی موت طبعی ہوئی۔ اس کے برعکس بائبل کے یسوع مسیح کی پیدائش ہم مسلمانوں کے نزدیک معجزانہ مگر یہودیوں کے نزدیک انتہائی قابل اعتراض اور عیسائیوں کے نزدیک فلسفیانہ ہے۔ ان کی زندگی کے حالات اور واقعات واضح نہیں، آپ کی قوم نے آپ کو کبھی قبول نہیں کیا، فریضۂ نبوت کی ادائیگی میں ہمیشہ رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا، یسوع کی موت بھی عیسائیوں کے نزدیک صلیب پر ہوئی۔ اور صلیب کی موت یہودیوں کے نزدیک لعنت کی موت ہے توراۃ میں لکھا ہے ''جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے (استثنا ۲۱:۲۲) (ہم اہل سنت مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ چشتی) اس لیے یسوع کسی بھی طرح سے حضرت موسیٰ کی مانند نہیں ہیں۔ توریت نے کہا کہ باطل نبی قتل کیا جائے گا۔ ہمارے نبیٔ کریم دشمنوں کے لاکھ چاہنے کے باوجود قتل نہیں کیے گئے، ہجرت کی تاریخ اس پر شاہد ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت محمد ﷺ برحق نبی اور قرآن کا بسم اللہ ہی صحیح ہے۔ اگر ان واضح حقایق کو عیسائی نہیں مانیں گے تو بائبل کے مطابق خدا ان سے

ان کا حساب لے گا۔ اب وہ حساب دینے کے لیے تیار رہیں۔

قرآن کے ترجمہ و تفہیم کا انسانی ذہن وقلوب پر اثرات: بائبل میں تحریف حذف واضافہ اور ترمیم و تنسیخ کا عمل آج تک جاری وساری ہے۔ قرآن نے ان لوگوں کے بھیانک جرائم سے پوری دنیا کی انسانیت کو آگاہ اور متنبہ کردیا، ان کے مکروہ اور گھناؤنے چہرے لوگوں کے سامنے بالکل عیاں ہوگئے، اپنے جرم کے کھل جانے اور قرآن کی نشاندہی پر پکڑے جانے کی وجہ سے ان کے دلوں میں قرآن، صاحب قرآن اور اسلام کی جانب سے بغض وانتقام کا جذبہ بھرا ہوا ہے۔ یہ انتقاماً ایسا کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس قرآن کی حقانیت اور اس کا نور روز بروز پھیلتا ہی چلا جارہا ہے۔ قرآن کوئی انشا، خبر، تاریخ، طبیعیات اور فلسفہ کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ کتاب ہدایت ہے جس کا اپنا الگ اسلوب، انداز خطابت اور طرز تکلم ہے۔ قرآن نے جو کچھ کہا اور بیان کیا اس کا اپنا ایک الگ انداز اور منفرد طریقہ کار ہے۔ قرآن کو سمجھ کر عربی زبان میں پڑھنے والے پر جو اثر ہوتا ہے اس کا تو کہنا ہی کیا، مگر بلا عربی جانے جو صرف ترجمہ پڑھنے کی وجہ سے اثر انسان کے دل پر ہوتا ہے اس کا ذکر Rodwell جس نے انگریزی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا ہے بالتفصیل کرتا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

''گیٹی (Goethe) ایک جرمن فلسفی جو انیسویں صدی کے اکابر علماء یورب میں گنا جاتا ہے عربی زبان سے محض ناواقف تھا۔ اس نے ترجمہ قرآن کا، بزبان لاطینی پڑھا، پہلی مرتبہ وہ گھبرایا مگر ہمت قاصر نہ کرکے چند بار اس نے اس ترجمہ کو خوب غور سے پڑھا، اور اخیر میں اس کو قبول کیا کہ یہ کتاب ایک نہایت عظیم الشان چیز ہے۔ اور بہت بڑی عظمت اس کی اس نے اپنی تحریر میں ظاہر کی۔'' [۱۱]

حضرت مولانا علامہ محمد فتح الدین انصاری اپنی کتاب ''مقدمہ تفسیر روح الایمان'' میں لکھتے ہیں:

''لبید بن ربیعہ ملک الشعراء جاہلیت (یہ ان سات شاعروں میں سے ہیں جو عرب میں ممتاز تھے جن کے قصاید کعبۃ اللہ میں سنہری حرفوں میں لکھ کر لٹکائے گئے تھے) نے جب قرآن کی چند آیتیں کعبۃ اللہ کی دیوار پر لکھی ہوئی دیکھیں تو کہا: ''ناممکن ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام ہو'' اور اسی وقت مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد اس شاعری کے جان دادہ نے قرآن میں وہ ذوق پیدا کیا کہ پھر ایک شعر بھی نہ کہا۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن میں ایک برقی تاثیر ہے جس سے روحانی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ اور اس کی آیات پڑھنے اور سننے سے طبیعت میں ذوقی وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو زبان سے بیان نہیں ہوسکتی۔'' [۱۲]

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ اپنی کتاب شفاء میں لکھتے ہیں قرآن کسی ایک وجہ سے معجزہ نہیں بلکہ اس

کے اعجاز کی مختلف وجوہ ہیں:

۱۔ اس کی حسن تالیف، ترتیب، کلمات اور بلاغت جو فطرت عرب سے کہیں بلند و رفیع ہے۔

۲۔ اس کا عجیب و غریب اسلوب بیان جو اس ملک کے طرز بیان سے بالکل جدا اور انوکھا ہے، جس کی نظیر کسی کلام میں نہیں پائی جاتی۔

۳۔ وہ اخبار بالغیب کو شامل ہے۔ اور اس کی جملہ پیش گوئیاں سچی ہیں۔

۴۔ اس میں علوم کی دقیق اور نازک باتیں اس قدر بیان ہوئی ہیں کہ کسی اور منزلہ کتاب میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ اس کا حجم نسبتاً بہت مختصر ہے۔ اتنی کم عبارت میں اس قدر مضامین پیدا کرنا انسانی فطرت سے بالاتر ہے۔ [۱۳]

قرآن کی حقانیت دیگر صحائف آسمانی پر: بغیر تعصب اور غیر جانبداری سے اگر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً اس کی عظمت، رفعت، بلندی اور حقانیت کا اعتراف کرنا ہی ہوگا۔ اس لیے بائبل، قران اور سائنس کے مشہور مصنف ڈاکٹر موریس بوکایۓ نے اپنے معروضی مطالعہ کا نچوڑ جو اپنی کتاب کے خاتمے میں پیش کیا ہے وہ قارئین کے لیے حاضر ہے۔ بائبل قرآن اور سائنس کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں:

"(بائبل میں) تضادات، ناممکنات اور تناقضات جو جدید سائنسی معلومات سے ہوتے ہیں ان کو ان الفاظ میں بہ آسانی بیان کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں صدر میں بتایا جاچکا ہے۔ لیکن عیسائیوں کو زیادہ حیرت اس وقت ہوتی ہے جب وہ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ جدید مطالعہ کے بہت سے بدیہی نتائج میں دھوکہ دینے کی غرض سے متعدد سرکاری شارحین کی ایسی مسلسل اور دور رس کوششیں رہی ہیں جنہوں نے عرض خواہانہ ترنم ریزی سے نغمہ کے سروں کو ترتیب دیکر بڑی چالاکی کے ساتھ منطقی نوعیت کے مداریوں کا کردار ادا کیا ہے۔ اس کی واضح مثال حضرت یسوع مسیح کے وہ نسب نامے ہیں جو متی اور لوقا نے دیئے ہیں جن میں باہم تضاد ہے اور جو سائنسی اعتبار سے ناقابل قبول ہے۔ بعض ایسی مثالیں پیش کی گئی ہیں جن سے اس رویہ کا صاف طور پر اظہار ہوتا ہے۔ یوحنا کی انجیل پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیے اس لیے کہ اس میں اور باقی تین انجیلوں کے درمیان بڑے اہم اختلافات ہیں۔ بالخصوص یہ حقیقت سامنے ہے کہ اس انجیل میں مقدس عشائے ربانی کا تذکرہ نہیں ہے اور یہ بات عام طور پر لوگوں کے علم میں نہیں ہے۔

نزول قرآن کی ایک تاریخ ہے جو بنیادی طور پر ان دونوں (عہد نامہ قدیم و جدید) سے مختلف ہے۔ اس کا پھیلاؤ لگ بھگ بیس سال کی مدت پر ہے۔ جیسے ہی یہ حضرت جبرئیل کے ذریعہ حضرت محمد ﷺ کے پاس پہنچتا تھا ویسے ہی اہل ایمان اس کو حفظ کر لیتے تھے۔ پھر اس کو حضرت محمد ﷺ کے حیات

طیبہ کے دوران ضبط تحریر میں بھی لے آیا گیا تھا۔ قرآن کریم کی آخری تنقیحات خلیفۃ الرسول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کی گئی جس کی ابتدا نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بارہ سال بعد اور انتہا چوبیس سال بعد ہوئی۔ اس وقت یہ فائدہ حاصل تھا کہ جن لوگوں کو قرآن پہلے ہی سے حفظ، یاد تھا ان سے ان کا موازنہ کرلیا جاتا تھا کیوں کہ انھوں نے وقتِ نزول ہی اس کو یاد کرلیا تھا۔ اور بعد میں برابر اس کی تلاوت کرتے رہے تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ متن کو اسی وقت پوری دیانت داری سے محفوظ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے استناد کا کوئی مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' [۱۴]

قرآن ایک ایسا دائمی معجزہ ہے جس کا کوئی مثل اور نظیر بنایا ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ یہ خبر و انشا امر و معروف اور قصص و فلسفہ کی کتاب نہیں بلکہ یہ وہ جامع کتاب ہے جس میں سب کچھ ہے لیکن سب سے منفرد، سب سے الگ اور سب سے ممتاز۔ نام نہاد فرقانِ حق کے مصنفین الصفی اور المہدی قرآن کے کس کس چیلنج کو قبول کریں گے۔ جب کہ ان میں ایک بھی اہل زبان نہیں۔ نزول کے زمانے میں جب اہل زبان جواب دینے سے قاصر رہے تو دیگر عجمی اس کا جواب کیا دیں گے؟ امام غزالی سے کسی نے پوچھا کہ آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (قرآن اگر اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات تم کو ملتے) سے کیا مراد ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ:

''اس سے یہ مراد نہیں کہ اس میں لوگ اختلاف نہیں کریں گے بلکہ کلام مختلف طرح کا ہوتا ہے، کبھی اس کے اول و آخر میں فصاحت کے لحاظ سے اختلاف واقع ہوتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ تو زیادہ فصیح اور کچھ کم فصیح ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ تعلیم کے لحاظ سے اختلاف ہوتا ہے کہ وہ کلام کبھی دنیا کی طرف بلاتا ہے اور کبھی دین کی طرف، کبھی وہ مختلف والنظم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ موزوں ہوتا ہے اور کچھ غیر موزوں یعنی غیر مسجع۔ کبھی کسی حصے کا اسلوب بیان خاص قسم کا ہوتا ہے اور دوسرے کے اس سے مختلف۔

اور قرآن کریم اس قسم کے تمام اختلافات سے منزہ اور بالاتر ہے۔ وہ شروع سے آخر تک فصاحت و بلاغت میں یکساں ہے، اس کا اسلوب بیان ابتدا سے انتہا تک ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کے تعلیم و غرض سر سے پاؤں تک ایک ہی ہے، برخلاف اس کے کلام بشر ایسے اختلافات سے کبھی خالی نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اس کے متکلم کے احوال و اغراض آناً فاناً بدلا کرتے ہیں۔ اور اس کے میلان طبعی میں یکسوئی قائم نہیں رہ سکتی۔ پھر ایسی حالت میں جب کہ کوئی ایک شخص تیئیس سال تک ایک ہی غرض کے مطابق کلام کرے۔ اور اس کے کلام کا ایک ہی انداز ایک ہی اسلوب ہو اور باوجود یہ کہ اس پر مختلف احوال طاری ہوتے رہے ہوں۔ پھر بھی اس کے

کلام میں اختلاف نہ پایا گیا۔ تو یقیناً اس امر کی دلیل ہے کہ وہ کلام بشر نہیں بلکہ وہ خداوند عالم کا کلام ہے۔" ۱۵

قرآن شریف کی تعریف عیسائیوں کی زبان سے: کلام مجید کا معجزہ کوئی مخفی چیز نہیں۔ بلکہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ جن لوگوں نے مضامین قرآن میں غور کیا ہے خواہ وہ کیسے ہی اسلام کے مخالف کیوں نہ رہے ہوں۔ قرآن کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔ ذیل میں ہم بعض متعصب رائے کا خلاصہ لکھتے ہیں جنہوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ اسلام کی نکتہ چینیوں میں صرف کیا ہے، لیکن قرآن کی نسبت اس طرح لکھتے ہیں:

"پادری راڈویل صاحب لکھتے ہیں: قرآن میں ایک گہری سچائی ہے جو ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے، جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی اور الہامی حکمتوں سے مملو ہیں۔

مؤرخ گبن صاحب لکھتے ہیں: قرآن ایک عام مذہبی، تمدنی، ملکی، تجارتی، دیوانی، فوجداری وغیرہ کا ضابطہ ہے۔ وہ ہر ایک امر پر حاوی ہے۔ مذہبی عبادت سے لے کر رات دن کے کاروبار، روحانی نجات سے لے کر صحت جسمانی، جماعت کے حقوق سے لے کر حقوق افراد، اخلاق سے، جرائم اور دنیاوی سزا سے، دینی جزا و سزا وغیرہ تک کے تمام احکام قرآن میں موجود ہیں۔ اس میں سیاسی اصول بھی ہیں، جن کی بنا پر حکومت کی بنیاد پڑی اور انہیں سے ملکی قوانین اخذ کیے جاتے ہیں اور روزمرہ کے مقدمات جانی و مالی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

ڈیون پورٹ صاحب لکھتے ہیں: منجملہ ان بہت سی خوبیوں کے جن پر قرآن فخر کرسکتا ہے اور وہ نہایت ہی عیاں ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ ایک تو مؤدبانہ انداز اور عظمت جس کو قرآن خدا کا ذکر یا اشارہ کرتے ہوئے ہمیشہ مدنظر رکھتا ہے کہ وہ خدا سے خواہشات رذیلہ اور انسانی جذبات کو منسوب نہیں کرتا۔

۲۔ اور دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ تمام غیر مہذب و ناشائستہ، خیالات، حکایات اور بیانات سے بالکل منزہ ہے جو بدقسمتی سے یہود کے صحائف میں عام ہے۔

۳۔ اور یہ کہ قرآن تمام قابل انکار عیوب سے بالکل مبرّا ہے۔ اس پر خفیف سے خفیف حرف گیری بھی نہیں ہوسکتی۔ اس کو شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ مگر تہذیب کے رخساروں پر ذرا بھی جھینپ (شرمندگی) کے آثار نہیں پائے جائیں گے۔" ۱۶

اسلوب، انداز خطابت، انداز تفہیم، امرونواہی کا طریقۂ کار، حقائق و معارف، حکمت وحکیمانہ طرز تکلم کے علاوہ قرآن کی ان پیشن گوئیوں کا جواب کہاں سے لائیں گے، جو حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئیں

اور مستقبل میں مزید تمام تر اعتبار سے حرف بہ حرف سچ ثابت ہوتی جائیں گی۔ کیا روم کے غلبہ اور لاش فرعون کی حفاظت اور دیگر علم غیب کا اظہار ان کے بس کی بات ہے، اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں تو پھر بلاوجہ قرآن، صاحب قرآن اور اسلام کے خلاف، گھٹیا اسلوب و انداز اختیار کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

قرآن سائنسی نقطۂ نظر سے بھی کلامِ الٰہی ہے: مضمون کے اختتام پر میں گزارش کروں گا کہ ہم اپنے اندر کے اختلافات کو مٹا کر اپنی انا کے خول توڑ کر خدمتِ اسلام اور قرآن کے لیے جدید انداز میں ایک مؤثر منصوبہ بندی کریں۔ جدید ذرائع کا استعمال کریں اور بھٹکتی ہوئی دنیا کے لیے مشعلِ راہ بنیں۔ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ جیسی آیات کو اسی پس منظر میں دیکھنا ہوگا۔ جس انداز کا حملہ ویسے ہی دفاع اور پیش بندی۔ میزائل اور الیکٹرانک ہتھیاروں کا مقابلہ، غلیل، تلوار اور برچھی بھالے سے نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن و سنت ہمارا تشخص ہیں ان کے ساتھ ہمیں جدید علوم اور سائنس وٹکنالوجی میں ایکسپرٹ (ماہر) ہونا ہی پڑے گا۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو دشمنِ اسلام کی سازشوں سے جو لوگ اپنے دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، اس کے ذمہ دار کسی حد تک ہم بھی ہوں گے۔ اور کیا اس صورت حال سے نکلنے کے لیے اور اللہ رب العزت کے سامنے جواب دہی کے لیے ہم تیار ہیں۔ آخر میں قرآن کی عظمت کا اعتراف ڈاکٹر موریس بوکائیے نے ان الفاظ میں کیا ہے ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں:

”قرآن مجید ان دونوں صحیفوں سے جو اس سے قبل نازل ہوئے تھے بڑھ چڑھ کر اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔ اور اپنے بیانات کے لحاظ سے تضادات و تناقضات سے پاک ہے۔ جب کہ اناجیل میں انسان کی کارگزاریوں کی علامت پائی جاتی ہے۔ قرآن کی ان لوگوں کے لیے جو معروضی طور پر اور سائنسی اعتبار سے اس کا جائزہ لیتے ہیں ایک الگ خوبی ہے۔ وہ خوبی جدید سائنسی معلومات سے اس کی کُلی طور پر مطابقت ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر جو بات ہے وہ یہ کہ اس میں ایسے بیانات موجود ہیں (جیسا کہ بتایا جاچکا ہے) جو سائنس سے مربوط ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بات ناقابل تصور ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے زمانے کا کوئی شخص اس (قرآن) کا مصنف ہوسکتا۔ (مصنف علام کا مقصد یہ بتاتا ہے کہ جب قرآن میں اس زمانہ کے خیالات سے مختلف خیالات ملتے ہیں۔ تو لازمی طور پر یہ ایک الہامی کتاب ہے اور اس کو کسی انسان نے خود تصنیف نہیں کیا) یہی وجہ ہے کہ جدید سائنسی معلومات ہی نے ہمیں قرآن کریم کی بعض آیات کو سمجھنے کا موقع دیا ہے جن کی توضیح کرنا اس زمانہ میں ممکن نہ تھا۔

بائبل اور قرآن کے ایک ہی مضمون کے کئی بیانات کے موازنہ سے وہ بنیادی اختلافات ظاہر ہوتے ہیں جو اوّل الذکر کے بیانات کے جو سائنسی اعتبار سے ناقابلِ قبول ہیں اور مؤخر الذکر

کے بیانات کے جدید معلومات سے ہم آہنگی رکھتے ہیں' درمیان دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً تخلیق اور طوفان عالم گیر کے واقعات ہیں۔ البتہ بائبل کا ایک انتہائی ضروری تکملہ جو قرآن مجید کے متن میں خروج کی تاریخ کے موضوع پر ہے۔ اثریاتی تحقیقات کے ساتھ بے انتہا مطابقت رکھتا ہے۔ یہ تحقیقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے تعین سے متعلق ہے۔ علاوہ ازیں دیگر موضوعات پر قرآن و بائبل میں بڑے اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات اس دعوے کو غلط ثابت کردیتے ہیں جس میں بغیر ذرا سی شہادت کے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے قرآن کا متن پیش کرنے کے لیے بائبل کی نقل کرڈالی۔

جب سائنس سے متعلق بیانات کا جو ان احادیث کے مجموعے میں پائے جاتے ہیں جن کا انتساب حضرت محمد ﷺ سے کیا جاتا ہے لیکن جن میں سے اکثر مشتبہ ہیں (حالانکہ وہ اس دور کے عقائد کی عکاسی کرتی ہیں) قرآن میں شامل اس قسم کی معلومات سے تقابلی موازنہ کیا جاتا ہے تو غیر یکسانیت اس قدر واضح ہوتی ہے کہ ان دونوں کے ایک ہی مآخذ ہونے کا تصور خارج از بحث ہوجاتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے زمانہ کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابل تصور معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے بہت سے وہ بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں کسی بشر کا کام ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی کا اظہار سمجھا جائے لیکن ساتھ ہی اس استناد کے سبب جو اس سے فراہم ہوتی ہے۔ نیز ان سائنسی بیانات کی وجہ سے جن کا آج بھی مطالعہ کرنا بنی نوع انسان کے لیے چیلنج ہے، اس (قرآن) کو ایک انتہائی خصوصی مقام حاصل ہے۔'' [۷]

اس مذکورہ اعتراف سے قرآن کی صداقت کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ وہیں توراۃ و انا جیل کا محرف ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن کے خلاف یہ کوئی پہلی سازش نہیں ہے۔ اس طرح کے بہت سے حوادث و واقعات قرآن کے متعلق ماضی میں دشمنانِ اسلام انجام دے چکے ہیں۔ اگر یہ مقدس کتاب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں نہ ہوتی تو یہ یقیناً اس عالم فانی سے کب کی ناپید ہوچکی ہوتی۔ لیکن جس ذات نے اس کتاب کو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے، وہی ذات نے اپنے فضل و کرم سے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لے لیا ہے، اس لیے یہ محفوظ ہے۔

مگر اس کے باوجود کیا قرآن کا ہم پر کوئی حق نہیں ہے؟ کیا یہ صرف حلف لینے، تعویذ بنا کر پہنے اور برکت کے لیے سب سے اوپر گھر میں روشن دان پر رکھنے کے لیے نازل کی گئی ہے؟ جی نہیں! بلکہ اس کے نزول کا مقصد اس کو پڑھنا، اس کا افہام و تفہیم ہے اور اس سے ہدایت حاصل کرنا ہے۔ تو پھر! آج ضرورت ہے قرآن پڑھنے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے ساتھ ہی ساتھ احسن انداز میں قرآن کے خلاف

کی جارہی سازش اور پروپیگنڈے کا جواب دینے کی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ سعادت عطا فرمائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین

حواشی

۱۔ الفوز الکبیر، اردو، حضرت شاہ ولی اللہ، علامہ، سنہ اشاعت غیر مؤرخ، ناشر مکتبہ برہان دہلی، ص:۶

۲۔ ہم اللہ کو کیوں مانیں؟ سید عبدالحفیظ شاہ، اشاعت ۱۹۸۴ء ناشر بیت المکرم ٹرسٹ، گجوٹھٹھہ، پاکستان، ص۲۲۔۲۳

۳۔ افکار رضا، سہ ماہی ممبئی، شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۳ء، ص:۵۷۔۵۸

۴۔ نفس مصدر، ص:۷۰

۵۔ بائبل قرآن اور سائنس، اردو، ثناء الحق صدیقی، مترجم، اشاعت ۱۹۹۷ء ناشر کریسینٹ، پبلشنگ کمپنی، دہلی، ص:۷۷۔۷۸

۶۔ نفس مصدر:۱۱۸

۷۔ نفس مصدر:۱۳۱

۸۔ کیا بائبل کلام الٰہی ہے، اردو، احمد دیدات، علامہ، اشاعت ۱۹۸۹ء ناشر فاران کلب فاؤنڈیشن، کراچی، ص:۲۲

۹۔ تمدن عرب، اردو، گستاولی بان، ڈاکٹر، اشاعت ۱۹۸۵ء ناشر اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ ص:۱۲۰۔۱۲۱

۱۰۔ کیا بائبل کلام الٰہی ہے، ص:۲۸۔۲۹

۱۱۔ تفسیر سورہ فاتحہ واخلاص، خدا بخش خاں، علامہ، اشاعت ۱۹۹۶ء ناشر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ص:۲۲۔۲۳

۱۲۔ مقدمہ تفسیر روح الایمان، محمد فتح الدین انصاری علامہ، اشاعت ۱۹۲۴ء، مطبع روناز الیکٹرک پریس، ہال بازار، امرتسر، ص:۹

۱۳۔ نفس مصدر:۹

۱۴۔ بائبل قرآن اور سائنس، ص:۳۳۴

۱۵۔ مقدمہ تفسیر روح الایمان ص:۹۔۱۰

۱۶۔ نفس مصدر:۱۰۔۱۱

۱۷۔ بائبل قرآن اور سائنس، ص:۳۳۴۔۳۳۵

wwwwwwwwwwwww

المدد یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

افادات : علامہ سیّد احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ

ترتیب وتخریج: خلیل احمد رانا ☆جہانیاں (ضلع خانیوال)

مارچ ۱۹۹۴ء میں ضیغمِ اسلام، غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ (۱۹۱۳ء۔ ۱۹۸۶ء) کے عرس مبارک کے موقع پر شاہی عیدگاہ ملتان کے سبزہ زار میں اجلاس کی آخری نشست سے حضرت پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی مدظلہٗ (سابق صدر شعبہ انگریزی ادب بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان) کی صدارت میں صاحبزادہ حامد سعید کاظمی صاحب نے دورانِ تقریر بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت غزالیٔ زماں علامہ کاظمی قدس سرہٗ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگ یہ جو "یا رسول اللہ مدد" کہتے ہیں یہ جائز نہیں ہے، اس کے بجائے "یا اللہ مدد" کہنا چاہیے کیونکہ غیر اللہ سے مدد مانگنا یہ تو اللہ کو عاجز سمجھنا ہے، کیا اللہ تعالیٰ مدد نہیں کر سکتا؟ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حرف "یا" کے ساتھ دور سے ندا کرنا بھی درست نہیں۔

علامہ کاظمی کریم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ حرف "یا" کے ساتھ اُسے پکارا جاتا ہے جو دور ہو، یا پھر اُسے پکارا جاتا ہے جو نزدیک تو ہو لیکن غیر متوجہ ہو، یعنی دُور تو نہ ہو لیکن اس کی توجہ کسی اور طرف ہو، اگر کوئی دور بھی نہ ہو اور پوری طرح متوجہ بھی ہو تو اسے پکارا نہیں جاتا۔ اَب بتاؤ کیا خدا دور ہے؟ ارے وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ تو غیر متوجہ ہونے سے بھی پاک ہے، پھر اس کو کیوں پکارتے ہو؟

ارے اس کا جواب بھی سنتے جاؤ، دیکھیے اللہ تعالیٰ نہ تو دور ہے اور نہ ہی غیر متوجہ ہے، پھر "یا اللہ" کہنے کا کیا مطلب ہوا؟ مطلب یہ ہے کہ "یا اللہ" کہنا دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے، بندہ جب اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ مجھے اپنی ناراضگی سے بچا اور اپنی رحمت کو میری طرف متوجہ فرما، گویا بندہ جب اللہ کو پکارتا ہے تو دراصل اس کی رحمت کو پکارتا ہے، اب ایمان سے کہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کیا ہے اور کون ہے؟ ارے اللہ تعالیٰ کی رحمت تو میرے آقا حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہیں، تو گویا یا اللہ کہنا بھی یا رسول اللہ ہی کہنا ہے۔ [۱]

رہا یہ اعتراض کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں سے مدد مانگنا تو اللہ تعالیٰ کے عاجز و مجبور ہونے کی دلیل ہے۔ تو میرے بھائی اللہ بھی تو بندوں سے مدد مانگتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ بھی عاجز و مجبور ہے؟ آپ کہیں گے کہ اللہ کا مدد مانگنا کہاں ہے؟ تو سنیے میں نہیں کہتا قرآن پاک نے صاف کہا!

ان تنصروا اللہ ینصرکم [۲] اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا

"ان تنصروا اللہ" جملہ شرطیہ ہے اور "ینصر کم" اس کی جزا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اب اگر کوئی کہے بس ہم تو اللہ ہی سے مدد مانگیں گے، تو جناب اللہ تعالیٰ نے تو اپنی مدد کرنے کو مشروط کردیا ہے تمہاری مدد کرنے سے، یعنی تم میری مدد کروگے تو میں بعد میں تمہاری مدد کروں گا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جزا شرط کے بعد ہوتی ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کا مطلب و معنی کیا ہے؟ آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے "ان تنصروا اللہ ای ان تنصروا دین اللہ ینصر کم" یعنی اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

اب دیکھیے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد تم سے کرا رہا ہے، آپ کیوں نہیں کرتا۔ کیا اللہ تعالیٰ مجبور اور محتاج ہے؟ ارے بھائی یہ تم سے جو مدد کرا رہا ہے یہ اللہ ہی کا مدد کرنا تو ہے، اسی طرح انبیا و اولیا کا مدد کرنا وہ اللہ ہی کا مدد کرنا تو ہے، کیونکہ اللہ ہی نے مدد کرنے کی طاقت ان کو دی، اللہ ہی کا تو حکم متعلق ہے اور اللہ ہی کی مشیت ان سے متعلق ہے، اگر تمہارا مدد کرنا اللہ کا مدد کرنا ہے تو انبیا و اولیا کا مدد کرنا اللہ کا مدد کرنا کیوں نہیں؟ [۳]

شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ حدیث میں تو آتا ہے کہ!

"ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی اور جس چیز کی ضرورت ہوا کرتی تھی (مسواک مصلّٰی وغیرہ) لایا کرتا تھا (ایک بار دریائے رحمت جوش میں آیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے ربیعہ مجھ سے مانگو کیا مانگتے ہو میں تجھے عطا کروں، انہوں نے عرض کیا حضور میں آپ سے یہی مانگتا ہوں کہ بہشت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو، آپ نے فرمایا کچھ اور بھی مانگتے ہو؟ حضرت ربیعہ نے عرض کی بس حضور یہی مانگتا ہوں، آپ نے فرمایا پس تم کثرت سجود سے میری مدد کرو"۔ (مفہوماً) [۴]

اس حدیث مبارکہ کے آخری الفاظ یہ ہیں "فاعنی علی نفسک بکثرت السجود" یعنی اے ربیعہ کثرتِ سجود سے میری مدد کرو۔

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی سے مدد مانگ رہے ہیں، لیکن آپ کہتے ہیں "یا رسول اللہ مدد" اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اس کے علاوہ قرآن کہہ رہا ہے اور آپ ہر نماز میں بھی پڑھتے ہیں "ایاک نستعین" یعنی ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، لہٰذا استعانت اللہ ہی سے کرنی چاہیے، انبیا و اولیا سے استعانت کرنا قرآن حکیم کے خلاف ہے۔

اس حدیث "فاعنی علی نفسک بکثرت السجود" کا مفہوم یہ ہے کہ اے ربیعہ تجھے جنت میں میری رفاقت تو نصیب ہوگئی، اب اگر تو رکوع و سجود چھوڑ دے گا تو دوسرے لوگ بھی رکوع و سجود

چھوڑ دیں گے، اس طرح میرے دین میں خلل آئے گا، تم رکوع و سجود نہ چھوڑو، نمازیں پڑھتے رہو۔ ''فاعنی'' کا مطلب ہے ''فاعنی دینی'' یعنی اے ربیعہ میرے دین کی مدد کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ان تنصرو االلہ ینصر کم'' اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے (تو) وہ تمہاری مدد کرے گا، یعنی اللہ بھی دین کی مدد طلب کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا رسول بھی دین کی مدد طلب کر رہا ہے، اگر ''فاعنی علی نفسک بکثرت السجود'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری ثابت ہوتی ہے تو پہلے ''ان تنصرو االلہ'' سے اللہ تعالیٰ کی کمزوری ثابت کرو، لیکن یقیناً اللہ تعالیٰ بھی کمزوری سے پاک ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ [۵]

اب رہا ''ایاك نعبد و ایاك نستعین'' کا مطلب کیا ہے؟

دیکھیے عبادت اور استعانت دونوں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں، اللہ ہی معبود ہے اور وہی مستعان ہے، بعض لوگوں نے عبادت کے معنی میں کچھ افراط و تفریط سے کام لیا، یہ صحیح ہے کہ عبادت کی روح تعظیم ہے، لیکن بعض لوگ ہر تعظیم کو عبادت سمجھنے لگے، یہ غلط ہے۔

دراصل حد درجہ تعظیم و انکسار کا نام عبادت ہے، یعنی تعظیم کا وہ مقام جس کے آگے تعظیم کا اور کوئی درجہ نہ ہو، اسے ہم بندگی سے عبارت کرتے ہیں، اور اسی کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کے سوا عبادت کا اور کوئی مفہوم نہیں ہے۔

اب ایک تو ہے تعظیم اور ایک ہے ''اقصیٰ غایت التعظیم'' (یعنی ایسی تعظیم کہ اس کے آگے تعظیم کا کوئی اور درجہ متصور نہ ہو)، تو اللہ تعالیٰ کے سوا اللہ کے رسول، اللہ کے نبی، اللہ کے مقرب اولیا صالحین، یہ تمام کے تمام تعظیم کے تو مستحق ہیں، مگر ''اقصیٰ غایت التعظیم'' کا مستحق فقط اللہ ہے۔ تعظیم رسولوں کے لیے بھی ہے، تعظیم نبیوں کے لیے بھی ہے، تعظیم ولیوں کے لیے بھی ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان پتھروں کی تعظیم کا بھی حکم دے دیا جن کی نسبت اللہ کے بندوں سے ہوگئی۔

دیکھیے بیت اللہ یعنی کعبہ معظم ہے یا نہیں؟ یقیناً معظم ہے۔ تو کیا کعبہ تعظیم کے بغیر ہی معظم ہوگیا؟ بھئی اس کی تعظیم ہوتی ہے تبھی تو وہ معظم ہے۔ اب اگر محض تعظیم ہی کو عبادت کہیں گے تو پھر کعبہ بھی معبود ہو گیا، حالانکہ کعبہ تو معبود نہیں، وہ تو ہماری عبادت کی ایک جہت اللہ نے مقرر کی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ غلط فہمی پھیلائی کہ بھئی! جہاں جس کی تعظیم کرو گے بس عبادت ہو جائے گی، ادھر تم نے کسی کی تعظیم کی اُدھر مشرک ہو گئے۔ بھولے بھالے مسلمانوں کے لیے خواہ مخواہ ایک مصیبت کھڑی کی ہوئی ہے۔ جب حرمین طیبین کی حاضری ہوتی ہے تو اس کا پورا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ محض تعظیم کو عبادت کہنا بہت زیادتی ہے اور دین میں فتنہ پیدا کرنا ہے۔ صحاح ستہ میں مشہور مجموعۂ احادیث ابن ماجہ

شریف کی ایک حدیث میرے ذہن میں آرہی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعجب کے ساتھ کعبۃ اللہ کو فرمایا اے بیت اللہ تیری عظمتوں کا کیا کہنا تو تو بہت ہی عظمتوں والا ہے الخ۔

اب اگر محض مطلق تعظیم ہی کو شرک قرار دیتے ہو تو کعبہ کو بھی معظم مت قرار دو، اور اگر معظم سمجھتے ہو تو اپنے فتوے کے مطابق اسے بھی معبود سمجھو۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مطلق تعظیم کا نام عبادت نہیں، بلکہ ''اقصیٰ غایت التعظیم'' کا نام عبادت ہے یعنی ایسی تعظیم کہ اس کے آگے تعظیم کا کوئی درجہ متصور نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' [۶] ''صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں'' یعنی جن پتھروں پر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کے قدم لگ گئے وہ پتھر بھی معظم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا! ''ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب'' [۷] ''اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو وہ ان کے دلوں کا تقویٰ ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ سے نسبت اور تعلق رکھنے والی چیزوں کا ادب واحترام بجا لانا اور اس کی تعظیم کرنا شرک میں داخل نہیں بلکہ عین توحید کی نشانیوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے لوگ ہی ان چیزوں کی قدر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف بالواسطہ یا بلا واسطہ منسوب ہیں۔

اب یہ شعائر اللہ، جن کی تعظیم کی جاتی ہے کیا اللہ ہیں؟ اگر شعائر اللہ کو اللہ کہو گے تو پھر ہزاروں خدا ہو جائیں گے۔ بہر حال شعائر اللہ کی تعظیم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان فرما دیا ''ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب'' پتہ چلا کہ مطلقاً تعظیم شرک نہیں بلکہ اقصیٰ غایت التعظیم شرک ہے اور کوئی مسلمان ایسی تعظیم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کے لیے نہیں بجا لاتا۔ اے اللہ تو ہی ہمارا معبود ہے اور ہم تیرے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔ ایاك نعبد کے معنی آپ کی سمجھ میں آگئے۔

ایاك نستعین۔ اے اللہ ہم تجھ ہی سے استعانت کرتے ہیں۔

استعانت کے معنی کیا ہیں؟ میں آپ کو بتا دوں کہ جس طرح ہر تعظیم کا نام عبادت نہیں اسی طرح ہر مدد طلب کرنے کا نام استعانت نہیں۔ ایاک نستعین میں جس استعانت کا ذکر ہے وہ ہر استعانت نہیں ہے، اگر اس سے مراد ہر استعانت ہے تو پھر یہ تو بڑی مصیبت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا! وتعاونوا علی البر والتقوی [۸] یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

(گرائمر کی رُو سے) ''تعاونوا'' باب تفاعل سے ہے اس کے معنی شرکت کے ہوتے ہیں۔ یعنی تم اس کی عون (مدد) کرو وہ تمہاری مدد کرے گا، نیک کام میں آپ مجھ سے مدد طلب کر سکتے ہیں، میں آپ سے مدد طلب کر سکتا ہوں۔ اب اگر ہر استعانت شرک ہو تو پھر ''وتعاونوا علی البر والتقوی'' کے کیا معنی ہوں گے، پھر تو نیکی کے کاموں میں کسی سے مدد طلب کرنا شرک ہو جائے گا، حالانکہ قرآن تو اس کا

حکم دیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر طرح کی عون (مدد) کو ایاک نستعین کے تحت لانا غلط ہے، جیسا کہ ہر تعظیم کو ایاک نعبد کے تحت لانا غلط ہے۔ وہ تعظیم خاص ہے جو ایاک نعبد میں مراد ہے اور وہ استعانت خاص ہے جو ایاک نستعین میں مراد ہے۔ اگر ہم کسی کو مستعانِ حقیقی سمجھ کر مدد طلب کریں اور ہمارا اعتقاد یہ ہو کہ یہ مدد کرنے میں مستقل بالذات ہے اس کو کسی کی احتیاج نہیں، یہ خود بخود بغیر کسی کا محکوم ہوئے، بغیر کسی کی مشیت اور ارادہ کے ماتحت ہوتے ہوئے اپنی ذات سے مستقلاً ہماری مدد کر سکتا ہے تو یہ شرک ہے کیونکہ کسی کو مستقل بالذات مستعان سمجھ کر مدد طلب کرنا بھی اقصیٰ غایت التعظیم ہے اور اسی کو عبادت کہتے ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ ہم جس سے بھی مدد طلب کرتے ہیں اس کے متعلق ہمارا کبھی یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مدد کرے گا، یا اللہ کی مرضی یا مشیت کے بغیر ہماری مدد کرے گا یا اللہ کے ارادے کے بغیر ہماری مدد کرے گا۔ ہمارا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مدد کرنے کی قدرت دی ہے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے یہ ہماری مدد کرے گا، اللہ کے حکم سے یہ ہماری مدد کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے یہ ہماری مدد کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق نہ ہو تو یہ ہماری مدد نہیں کر سکتا، اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق نہ ہو تو کوئی ہماری مدد نہیں کر سکتا، اللہ نے اس کو مستقل بالذات کوئی قوت نہیں دی، کیونکہ استقلال ذاتی الوہیت کا وصف ہے اور الوہیت کا وصف غیر الٰہ میں ہو نہیں سکتا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں "ایاک نستعین" یعنی اے اللہ ہم تجھے مستعانِ حقیقی اعتقاد کر کے فقط تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا "واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ" [۹] اس آیت میں "با" سببیہ ہے، سبب اور وسیلہ ایک ہی بات ہے، یعنی صبر اور صلوٰۃ یہ وسیلہ ہیں استعانت کے۔ استعانت تو اللہ ہی سے ہوگی، جس طرح صبر اور صلوٰۃ وسیلہ ہیں اسی طرح اولیا کرام بھی وسیلہ ہیں اور جس طرح اعمالِ صالحہ وسیلہ ہو سکتے ہیں تو جو اعمالِ صالحہ سے متصف ہیں وہ بھی وسیلہ ہیں۔ اسی لیے ہم اولیا اللہ سے توسل کرتے ہیں، ہم فقط ان کی ذات کا توسل نہیں کرتے بلکہ ان کے وصفِ ولایت کی بنا پر توسل کرتے ہیں، ان کی صالحیت اور اعمالِ صالحہ کی بنا پر توسل کرتے ہیں۔ بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں نے اعمالِ صالحہ سے توسل کر کے اللہ سے مدد طلب کی، اور اعمالِ صالحہ سے توسل کرنا یہ بنا ہے صالحین سے توسل کرنے کی۔ ہم یہی کہتے ہیں کہ انبیا و اولیا کرام و صالحین ہمارے وسیلہ ہیں، ہاں مدد کرنے والا اللہ ہے، عون فرمانے والا اللہ ہے، حاجت بر لانے والا اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے صالحیت کو، اعمالِ صالحہ کو، نیکی کو، تقویٰ کو، صبر کو، صلوٰۃ کو وسیلہ بنایا، اور جو محل ہیں صبر کے، جو متصف ہیں صلوٰۃ سے اور جو متصف ہیں اعمالِ صالحہ سے وہ باعتبار اعمالِ صالحہ کے ہمارا وسیلہ ہیں، اور ان سے قطع نظر کر کے محض ان کی ذوات کو ہم وسیلہ قرار نہیں دیتے، کیونکہ ان کے توسل کا معنی ان کا اعمالِ صالحہ سے متصف ہونا ہے اور اعمالِ صالحہ سے

توسل یعنی استعانت کرنا، قرآن سے ثابت ہے، قرآن نے کہا "واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ"۔

اب اگر مطلقاً استعانت کو شرک کہو گے تو قرآن کی اس آیت کو کہاں لے جاؤ گے، پھر تو صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے مدد طلب کرنا بھی شرک ہو جائے گا، کیونکہ صبر بھی خدا نہیں اور صلوٰۃ بھی خدا نہیں ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی عبادتیں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اے اللہ ہم تجھ ہی کو مستعان حقیقی مانتے ہیں اگر تو نہ چاہے تو کوئی ہماری مدد نہیں کرسکتا، اگر تیرا ارادہ اور مشیت نہ ہو تو کوئی ہماری مدد نہیں کرسکتا۔

اب یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب یہ اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتے تو ان کا تو کچھ مقام نہ ہوا اور ان کی کوئی فضیلت نہ ہوئی؟

دیکھیے یہ اللہ کے نیک بندے اللہ کی مشیت سے ہی تو مدد کرسکتے ہیں، بغیر مشیت کے تو مدد نہیں کرسکتے۔ تو پتہ چلا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ مشیتِ الٰہی متعلق ہوگئی ہے۔ کیا یہ ان کی فضیلت نہیں؟ ان کے ساتھ مشیتِ الٰہیہ متعلق ہوتی ہے، ارادۂ الٰہیہ متعلق ہوتا ہے۔ تو جو متعلق ہو مشیتِ الٰہیہ سے اور جو متعلق ہو ارادۂ الٰہیہ سے تو بتائیے کہ وہ فضیلت کا مرکز قرار پائے گا یا نہیں؟

یہاں ایک اور شبہ کا ازالہ بھی کردوں کہ جب ہم کہتے ہیں "ایاک نستعین" ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں تو شبہ یہ ہے کہ اس میں "حصر" ہے یعنی ہم فقط تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں تیرے غیر سے نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہم دیکھیں کہ حصر کے معنی کیا ہیں؟ تو عرض ہے کہ حصر کے معنی ہیں ماسوا مذکور کی نفی، مثلاً کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے، اس میں مذکور کون ہے؟ اس میں مذکور اللہ ہے، کیونکہ یہاں اللہ کے سوا ہر ایک سے الوہیت کی نفی ہوگئی اور اللہ کے ماسوا سب غیر مذکور ہیں، تو ہر غیر مذکور سے الوہیت کی نفی ہوگئی۔ اب ہم کہتے ہیں 'ایاک نستعین'' تو ''ایاک'' میں مذکور تو اللہ کی ذات ہے، کیونکہ 'ایاک'' میں جو ضمیر خطاب ہے اس کا مصداق اللہ تعالیٰ ہے، تو اب مذکور تو فقط اللہ ہے اور غیر کی نفی ہوگئی، کیونکہ مذکور کے ماسوا سب کی نفی ہوتی ہے۔ تو پتہ چلا کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور سے استعانت نہیں کرسکتے، کسی سے مدد نہیں مانگ سکتے، اللہ سے مدد مانگنا خاص ہے، کیونکہ مذکور وہی ہے اور حصر میں ماسوائے مذکور کی نفی ہے۔ لہٰذا اللہ کے سوا سب ماسوا کی نفی ہوگئی، اللہ کے ماسوا جو بھی ہے اس سے استعانت نہیں ہوسکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ فقط مردے ہی اللہ کے ماسوا ہیں، کیا زندہ اللہ کے ماسوا نہیں ہیں؟ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جناب مردوں سے مدد مانگنا شرک ہے اور زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے۔ ارے خدا کے بندو! ایاک نستعین میں تو حصر ہے اور حصر میں تو ماسوائے مذکور کی نفی ہوتی ہے، تو ماسوائے مذکور فقط مُردہ ہیں، کیا زندہ ماسوائے مذکور نہیں؟ کیا صرف مُردوں کو غیر اللہ کہو گے اور زندوں کو عین اللہ کہو گے؟ خبر

نہیں ان لوگوں کا دماغ کہاں چلا گیا؟

آپ آنکھ سے استعانت کرتے ہیں دیکھنے کے لیے، کان سے استعانت کرتے ہیں سننے کے لیے، زبان سے استعانت کرتے ہیں بولنے کے لیے، ہاتھ سے استعانت کرتے ہیں پکڑنے کے لیے، پاؤں سے استعانت کرتے ہیں چلنے کے لیے، دماغ سے استعانت کرتے ہیں سوچنے کے لیے، آپ اپنے دوستوں سے استعانت کرتے ہیں، مقدمات میں وکیلوں سے استعانت کرتے ہیں، جھگڑوں میں پولیس سے استعانت کرتے ہیں، کارِ خیر کے کاموں میں مالداروں سے استعانت کرتے ہیں، کون سی چیز ہے جس سے استعانت نہیں ہوتی؟ اب بتائیے کہ ماسوا مذکور میں تو سارے داخل ہیں، تو پھر کسی سے بھی استعانت مت کرو، اور ہر ایک کی استعانت کو شرک قرار دو۔ جواب میں کہا جاتا ہے کہ بھئی یہ تو زندہ ہیں، تو سوال ہے کہ کیا زندہ اللہ ہیں؟

الحمدللہ ہمارا عقیدہ بالکل صاف ہے، بالکل سچا ہے، ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی زندہ سے بھی مستعانِ حقیقی سمجھ کر مدد مانگتا ہے تو وہ مشرک ہے، کیونکہ ''ایاک''میں حصر ہے اور حصر میں ماسوائے مذکور کی نفی ہوتی ہے۔ زندہ بھی ماسوائے مذکور ہیں اور مردہ بھی ماسوائے مذکور ہیں۔ اگر کسی فوت شدہ کو مستقل بالذات مان کر مدد مانگو گے تب بھی مشرک ہو جاؤ گے اور اگر کسی زندہ کو مستقل مستعانِ بالذات جان کر مدد مانگو گے تب بھی مشرک ہو جاؤ گے۔ اگر استقلالِ ذاتی کا عقیدہ نہیں تو نہ مردہ سے مدد مانگ کر مشرک ہو گے اور نہ زندہ سے مدد مانگ کر مشرک ہو گے۔ [۱۰]

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۲۴ء) ''ایاک نستعین'' کے تحت فرماتے ہیں!

''دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآں غیر باشد وا را مظہر عون الٰہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و اُو را یکے از مظاہر عون دانستہ ونظر بکار خانہ اسباب وحکمت او تعالیٰ دراں نمود بغیر استعانت ظاہر نماید دُور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز وروا است وانبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحق تعالیٰ است''۔ [۱۱]

ترجمہ: ''اس جگہ یہ سمجھنا چاہیے کہ غیر سے اس طرح استعانت حرام ہے کہ اعتماد اس غیر پر ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر نہ جانے، اور اگر توجہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور اُسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر جانے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کار خانہ اسباب پر نظر کرتے ہوئے اس غیر سے ظاہری استعانت کرے تو یہ راہِ معرفت سے دور نہ ہوگا اور شریعت میں جائز اور روا ہے، اس قسم کی استعانت انبیا و اولیا نے غیر سے کی ہے، درحقیقت

استعانت کی یہ قسم غیر سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہے''۔

مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۸۸۵۔۱۹۴۹ء) کی تفسیر ملاحظہ ہو (یہ تفسیر سعودی عرب میں ہر سال حاجیوں کو مفت تقسیم ہوتی رہی ہے)

''اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اُس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی ناجائز ہے، ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے''۔[۱۲]

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ کوئی شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطۂ رحمت الٰہی سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگتا ہے تو یہ جائز ہے، کیونکہ درحقیقت یہ اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے۔

راقم الحروف (خلیل احمد) کو اچھی طرح یاد ہے کہ مورخہ ۴، اکتوبر ۱۹۸۱ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر، قاسم باغ قلعہ کہنہ ملتان شہر میں قائد تحریک نظام مصطفےٰ مولانا حامد علی خاں رامپوری علیہ الرحمۃ (پ۱۹۰۶ء۔م۱۹۸۰ء) کے مزار شریف سے ملحقہ جامع مسجد غوثیہ قادریہ میں جماعت اہل سنت کے زیر اہتمام ہفتہ وار تبلیغی اجتماع میں علامہ سیدی احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے دوران خطاب فرمایا تھا کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' میں جو حرف ''ب'' ہے اس کی تین توجیہیں ہیں۔

۱۔ الباء للمصاحبت۔ معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔

۲۔ الباء للتبرک۔ اللہ کے نام کی برکت سے شروع کرتا ہوں۔

۳۔ الباء للاستعانت۔ اللہ کے نام کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔

اب دیکھیے تیسری توجیہ ''الباء للاستعانت'' کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی استعانت یا مدد سے شروع کرتا ہوں۔ تو جناب اللہ تعالیٰ کا نام تو اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے نام کو ہی اللہ کہیں گے تو اسمائے الٰہیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام تو بہت سے ہیں، پھر تو بہت سے الٰہ ماننے پڑیں گے، مگر الٰہ تو صرف ایک ہے، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام اللہ کی ذات نہیں، تو جب اللہ تعالیٰ کے نام سے استعانت کرنی جائز ہے جو کہ اللہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ نہیں ہیں، ان سے استعانت کرنا یا مدد مانگنا کیونکر شرک ہوگا؟[۱۳]

مارچ ۱۹۹۵ء کے اوائل میں راقم الحروف کسی ذاتی کام سے ملتان شریف گیا، فارغ ہوکر نئی کتابیں دیکھنے کے لیے غیر مقلدین کے کتب خانہ ''مکتبہ فاروقی'' نزد شاہین مارکیٹ بیرون بوہڑ دروازہ چلا گیا، وہاں کتابیں دیکھتے ہوئے مولوی رشید احمد گنگوہی (۱۸۲۹۔۱۹۰۵ء) کے شاگرد مولوی حسین علی

(۷_۱۸۶۶_۱۹۴۳ء، ساکن واں بھچراں، ضلع میانوالی) کی ایک کتاب ''احسن التفسیر'' پر نظر پڑی، کھول کر دیکھی تو ''بسم اللہ'' کے ترجمہ میں لکھا تھا!

''کہو مدد مانگتا ہوں ساتھ خاص نام اللہ تعالیٰ کے'' [۱۴]

مولانا حسین علی کے اس ترجمہ سے اُسی بات کی تصدیق ہو رہی ہے جو علامہ سیدی احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ نے بیان کی، مولانا حسین علی کی تفسیر ''بلغۃ الحیران'' میں ہے!

''وحل مشکلے از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان بجا است وعین رضا است''

(یعنی کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور عین رضا ہے)

آگے لکھتے ہیں!

''اے برادر گفتن یارسول اللہ بطریق تعشق وتوسل خارج از مبحث است''

(یعنی اے بھائی تو جان لے کہ ''یارسول اللہ'' بطور محبت وتوسل کے کہنا اختلافی بحث سے خارج ہے)

پھر آگے لکھا !

''نواب صدیق حسن خاں گفتہ۔ شیخ سنت مددے، قاضی شوکاں مددے بمعنی دعا باشد چنانچہ در ہندی گویند شالا مدد ہووے پیر جیلانی'' [۱۵]

ترجمہ: یعنی اسی توسل اور محبت کے طور پر ہے جو نواب صدیق حسن خاں نے کہا کہ اے سنت کے شیخ مدد کر اور اے قاضی شوکاں مدد کر جو محض (بطور توسل) دعا ہے، چنانچہ لوگ کہتے ہیں ''شالا مدد ہووے پیر جیلانی۔

مولوی حسین علی کی ان عبارات سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ بطور توسل ''یا رسول اللہ'' کہنا درست ہے، اللہ تعالیٰ کے محبوبوں سے بطور توسل مدد مانگنا بھی جائز ہے، کیونکہ ''شالا مدد ہووے پیر جیلانی'' (یہ سرائیکی زبان کا فقرہ ہے) کا مطلب ہے ''یا غوث اعظم المدد''۔

پاکستان میں دیوبندیوں کے بڑے بڑے مولوی مثلاً مولوی سرفراز خاں صفدر، گوجرانوالہ (پ ۱۹۱۷ء) اور حیات النبی کے منکر ''مماتی پارٹی'' کے مولوی غلام خاں، راولپنڈی (۱۹۰۹_۱۹۸۰ء) مولوی طاہر پنج پیری، تحصیل صوابی، صوبہ سرحد (۱۹۱۷_۱۹۸۷ء)، مولوی محمد حسین نیلوی سرگودھا (پنجاب)، اور مولوی عنایت اللہ شاہ گجراتی (گجرات پنجاب) یہ سب مولوی حسین علی کے شاگرد ہیں۔

استعانت اور توسل الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی ہیں، امام تقی الدین سبکی شافعی علیہ الرحمۃ (م ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں۔

''واذ قد تحررت هذه الانواع والاحوال فی الطلب من النبی صلی الله علیه وسلم وظهر المعنی فلا علیک فی تسمیته توسلا او تشفعا او استغاثته او

تجوها او توجها لان المعنی فی جمیع ذلک سواء"۔ [۱۶]

ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شے کے طلب کرنے میں احوال اور اقسام کا بیان ہو گیا اور مطلب ظاہر ہو گیا تو اب تم اس طلب کو توسل کہو یا تشفع، استغاثہ کہو یا تجوہ یا توجہ، کوئی حرج نہیں کیونکہ ان سب کا مطلب ایک ہی ہے۔

مولوی حسین علی اپنی ایک اور تصنیف ''تحفہ ابراہیمیہ'' میں لکھتے ہیں!

''اما استمداد از دوستاں خدا روا است'' [۱۷]

ترجمہ۔ دوستانِ خدا سے مدد مانگنا جائز ہے''

یہ عبارت چونکہ بعض لوگوں کے غلط عقیدہ پر کاری ضرب ہے، اس لیے اس کے مترجم اور ناشر مولوی عبدالحمید سواتی دیوبندی (پ ۱۹۱۷ء) نے ''تحفہ ابراہیمیہ'' کے اُردو ترجمہ بنام ''فیوضاتِ حسینیؒ'' کے حاشیہ میں اس فارسی عبارت کا ترجمہ ہاتھ کی صفائی سے غائب کر دیا، لیکن خیانت کرتے ہوئے بدحواسی کے عالم میں اصل فارسی عبارت کو متن سے غائب کرنا بھول گئے، جو کہ اُسی صفحہ کی پہلی سطر میں ان کی خیانت کا منہ چڑا رہی ہے۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے علما سے سوال ہے کہ مولوی حسین علی کی اس عبارت سے ثابت ہو رہا ہے کہ محبوبانِ خدا سے مدد مانگنا جائز ہے، تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور حبیب ہیں، آپ سے مدد مانگنا اور ''یا رسول اللہ مدد'' کہنا کیوں ناجائز اور شرک ہے؟

مولوی محمد قاسم نانوتوی (۳۔۱۸۳۲۔۱۸۷۹ء) اپنے قصیدہ میں لکھتے ہیں!

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار [۱۸]

اس شعر کا مطلب ''یا رسول اللہ مدد'' نہیں تو اور کیا ہے؟

مولوی اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء) اپنی کتاب ''حیٰوۃ المسلمین'' میں درج ذیل اشعار لکھتے ہیں!

ترجمان ہر چہ مارا در دل است
دستگیر ہر کہ پائیش در گل است

مرحبا یا مجتبےٰ یا مرتضےٰ
ان تغب جاء القضاء ضاق القضاء

انت مولی القوم من لا یشتھی
قد روی کلا لئن لم ینتھی

ترجمہ: (۱) (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جو بات ہمارے دل میں ہے آپ اس کو بیان کرنے والے

ہیں اور مصیبت زدہ کے آپ دستگیر ہیں۔

(۲) آپ کو مرحبا اے برگزیدہ و پسندیدہ، اگر آپ غائب ہوں تو موت آجائے اور دنیا تنگ و تاریک ہو جائے۔

(۳) آپ لوگوں کے مددگار و خیر خواہ ہیں، جو آپ کی طرف رغبت نہیں کرتا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ [۱۹]

اگر ''یا رسول اللہ مدد'' کہنا شرک ہے تو علمائے دیو بند کا تھانوی صاحب کے ان مذکورہ بالا اشعار کے متعلق شرک کا فتویٰ کہیں شائع ہوا ہے؟ اگر نہیں شائع ہوا تو کیا شرک کا فتویٰ صرف مظلوم اہل سنت کے لیے ہے؟

یہی مولوی اشرف علی تھانوی صاحب اپنی کتاب ''نشر الطیب'' میں لکھتے ہیں ! [۲۰]

یا شفیع العباد خذ بیدی	انت فی الاضطرار معتمدی
لیس لی ملجاء سواک اغث	مسنی الضر سیدی سندی
غشنی الدھر یا ابن عبداللہ	کن مغیثاً فانت لی مددی
دستگیری کیجیے میرے نبی	کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ	فوجِ کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف	اے میرے مولا خبر لیجیے میری

قارئین انصاف فرمائیں کہ ان اشعار میں اور ''یا رسول اللہ المدد'' کہنے میں کیا فرق ہے؟ اگر یہ اشعار شرکیہ نہیں تو ''یا رسول اللہ مدد'' کہنا بھی شرک نہیں۔

بانی تبلیغی جماعت مولوی محمد الیاس کاندھلوی (۶۔۱۸۸۵۔۱۹۴۴ء) کے قریبی عزیز اور بااعتماد ساتھی مولوی احتشام الحسن کاندھلوی، جن کا ایک رسالہ ''مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج'' تبلیغی نصاب (موجودہ نام فضائل اعمال) کے آخر میں شامل ہے۔ اپنی کتاب ''غوث اعظم'' میں لکھتے ہیں !

"جب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کوئی صدمہ یا حادثہ پیش آتا تو آپ حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتے اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھتے، نماز کے بعد سو مرتبہ درود شریف پڑھتے اور کہتے تھے!

اغثنی یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام

پھر سرور کائنات ﷺ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر دل ہی دل میں آہستہ سے یہ دو شعر پڑھتے تھے۔

ایدرکنی ضیم و انت ذخیرتی

والظلم فی الدنیا و انت نصیرتی

وعار علی راعی العمیٰ و ھو فی الحمی

اذا ضاع فی البیداء بعیری

(ترجمہ) کیا مجھے بھی کوئی آفت پہنچ سکتی ہے جب کہ آپ کا تعلق میرے لیے ذخیرہ آخرت ہے اور کیا میں بھی دنیا میں ظلم و ستم کیا جاؤں گا جب کہ آپ میرے معین و مدد گار ہیں، یہ امر تو گلہ بان کے لیے باعث عار ہے کہ اس کے گلہ میں ہوتے ہوئے اس جنگل میں میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے۔'' [۲۱]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد از وصال دور سے مدد کے لیے ندا کرنا جائز ہے، کیونکہ حضور غوث اعظم سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں یہ اشعار پڑھتے تھے، یہ سب کو معلوم ہے کہ آپ کا زمانہ بھی بعد کا ہے اور بغداد (عراق) مدینہ منورہ سے دور ہے۔

اہل سنت کا عقیدۂ استمداد

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ استمداد یہ ہے کہ کارسازِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، مخلوق میں سے جو بھی کسی کی امداد کرتا ہے وہ بھی در اصل اللہ تعالیٰ ہی کی امداد ہے، بندہ تو اس کی امداد کا مظہر ہے، ورنہ اگر کوئی چاہے کہ میں از خود عطائے الٰہی کے بغیر کسی کی امداد کروں تو یہ ممکن نہیں ہے اور کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے کہ وہ از خود امداد کر سکتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد و عطا کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ سیدی احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ استمداد کی شرعی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں!

''بے شک اللہ کے سوا کسی کو معین اور مدد گارِ حقیقی سمجھنا شرک خالص ہے، مگر کمال قرب الٰہی کے باعث اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو مظاہر عون الٰہی سمجھنا یقیناً حق ہے، بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کر رہا ہوں، بصیرت و انصاف کی نظر سے غور کیا جائے تو آسانی سے بات سمجھ آسکتی ہے۔

دیکھیے حدیث قدسی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا! جس نے میرے ولی سے عداوت کی میری طرف سے اسے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ میری کسی پسندیدہ چیز کے ذریعے میرا وہ قرب حاصل نہیں کرتا، جو میرے فرائض کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، تو جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سمع ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی بصر ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو ضرور دوں گا، اور اگر وہ مجھ سے میری پناہ طلب کرے تو اسے میں ضرور اپنی پناہ دوں گا۔'' [۲۲]

بخاری شریف کی اس حدیث قدسی کے بعض دیگر طرق میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں ''وفوادہ الذی

یعقل به ولسانه الذی یتکلم به" یعنی میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ [۲۳]

امام رازی علیہ الرحمۃ (م ۶۰۶ھ) نے بھی اس حدیث کے ایک طرق روایت میں لساناً اور قلباً کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ [۲۴] اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ مقربانِ بارگاہِ الوہیت کا مظاہر عونِ الٰہی ہونا حقیقتِ ثابتہ ہے۔

اس حدیث کو صرف اس بات پر محمول کر دینا کہ قربِ نوافل حاصل کرنے والے بندے کو جب اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اس کا سننا، دیکھنا، کام کرنا، چلنا پھرنا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکامِ شریعت کے مطابق ہو جاتا ہے، یعنی مقرب بندہ اپنی آنکھ کان وغیرہ کسی عضو سے معصیت کا مرتکب نہیں ہوتا، ہرگز صحیح نہیں، کیونکہ "کنت له سمعاً" کا مقام اس بندے کو اللہ کا محبوب ہونے کے بعد ملا ہے، اور وہ محبوب اسی وقت ہوگا جب وہ گناہ چھوڑ دے گا اور اپنی آنکھ کان ہاتھ وغیرہ کو احکامِ شریعت کے تابع بنا دے گا۔ اگر اس کے بغیر ہی وہ محبوب ہو جائے تو سب عاصی اور گنہگار اللہ کے محبوب ہو نگے، پھر سوچیے کہ محبوبیت الٰہیہ کی کیا وقعت رہی؟

معلوم ہوا کہ اپنی سمع بصر وغیرہ کو احکام شریعہ کے تابع کرنے کے بعد کنت له سمعاً کا مقام اسے حاصل ہوا۔ اب اگر اسے بھی ہم گناہوں سے بچنے کے معنی پر محمول کر دیں تو اس کی حیثیت رجعتِ قہقری سے زائد کیا ہوگی؟ بلکہ اسے تحصیل حاصل کہنا پڑے گا، جو صراحتاً باطل ہے، اس لیے حدیث کو معنی سابق پر محمول کرنا صحیح نہیں، بلکہ حدیث کے صحیح معنی یہی ہیں کہ بندۂ مقرب اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر و دیگر صفات کا مظہر ہو جاتا ہے، جیسا کہ اسی حدیث کے پیشِ نظر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا!

"وکذلک العبد اذا و اظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول الله کنت له سمعاً و بصراً فاذا صار نور جلال الله سمعاً له سمع القریب و البعید واذا صار ذلک النور بصرًا له راءى القریب و البعید و اذا صار ذلک النور یدًا له قدر علی التصرف فی الصعب والسهل والبعید والقریب". [۲۵]

"یعنی بندہ جب گناہوں سے بچ کر نیکی کے کاموں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی سمع اور اس کی بصر ہو جاتا ہوں، تو جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جائے تو وہ قریب اور دور کی بات سن لیتا ہے اور جب یہ نور اس کی بصر ہو جائے تو وہ قریب اور دور کی چیز کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہ نور اس کا ہاتھ ہو جائے تو وہ مشکل اور آسان اور دور اور قریب پر قادر ہو جاتا ہے"۔

جن لوگوں نے اس حدیث کو عقیدۂ توحید کے خلاف سمجھا، وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ حدیث میں یہ نہیں آیا کہ معاذاللہ ''بندۂ مقرب'' اللہ ہو جاتا ہے، یا اللہ بندے میں حلول کر لیتا ہے۔ بلکہ حدیث کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ کا بندہ کمال قرب کے باعث اللہ کے نورِ سمع، نورِ بصر، نورِ قدرت، نورِ کلام اور نورِ علم و ادراک کا مظہر ہو جاتا ہے۔ انسانیت کا کمال قربِ الٰہی ہے۔ قرآن و حدیث اور شریعت اسلامیہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کا مقرب ہو جائے، اگر یہ کفر و شرک ہے تو اسلام اور توحید کا کیا مفہوم ہو گا؟ کمالِ انسانیت کے معیار کو کفر و شرک کہنا کتاب و سنت سے ناواقفیت اور روحِ اسلام سے بے گانگی کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جو مقرب بندے اس مقام پر فائز ہوتے ہیں اس کی دی ہوئی قدرت کے باوجود اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی کام ان سے سرزد نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے ارادے اور مشیت کو بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع کر دیتے ہیں۔ بظاہر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ قدرت اور اختیار نہیں، مگر وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اختیار کے باوجود اس کی حکمت اور مشیت کے تابع رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاہتے تو سونے کے پہاڑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلتے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' یا عائشة لو شئت لسارت معی جبال الذهب'' اے عائشہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔ [۲۶] اور فقر و فاقہ کی کبھی نوبت نہ آتی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فقر کو اختیار فرمایا۔

بے شک تمام انبیا و اولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کل مخلوقات اللہ تعالیٰ کے محکوم اور مقدور ہیں، اس کے حکم اور قدرت سے کوئی باہر نہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ بہ نسبتِ خلائق مجبور محض ہوں، بلکہ مظاہر عونِ الٰہی ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ اپنی اور ہماری سب کی مدد کرتے اور کر سکتے ہیں، ان کا بعض اوقات ہماری مدد نہ کرنا اس لیے نہیں کہ وہ ہماری مدد نہیں کر سکتے، بلکہ وہ بتقاضائے کمال عبدیت اللہ کی حکمت کے خلاف کچھ نہیں کرتے، سمجھنے کے لیے اتنی بات پیش نظر رکھ لیں کہ بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے والا روزے دار جسے اللہ تعالیٰ نے سب نعمتیں عطا فرمائی ہیں، روزے کی حالت میں کھانے پینے کی طاقت رکھتا ہے، مگر رضائے الٰہی کے پیش نظر وہ ایسا نہیں کرتا، نمازی نماز کی حالت میں لوگوں سے کلام کر سکتا ہے مگر بندگی کا تقاضا اسے روکتا ہے، ایک طاقت ور مظلوم ظالم سے انتقام لے سکتا ہے، مگر کمال حلم اس کے لیے مانع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و رضا کے تحت صبر و تحمل سے کام لینا اور حکمت الٰہیہ کے مطابق عمل کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ غور فرمائیے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، لوگ بہت سے کام اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں روک سکتا ہے مگر نہیں روکتا، شیطان کی سرکشی دور کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے، مگر اپنی حکمتوں کی بنا پر ایسا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سنت الٰہیہ کا مظہر ہوتے ہیں، اپنے اوپر ان کا قیاس کر کے انہیں اپنے جیسا سمجھنا نادانی اور ناانصافی ہے۔ (ملخصاً) [۲۷]

حوالہ جات و حواشی

[۱]۔ رانا، خلیل احمد، یادداشتیں (قلمی) : مملوکہ، خود

[۲]۔ القرآن : ۲۶۔سورۃ محمد: ۷

[۳]۔ کاظمی، علامہ سید احمد سعید، عبادت واستعانت: کراچی، مجلس رضا، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱

[۴]۔ خطیب، شیخ ولی الدین، مشکوٰۃ : کراچی، س ن، ص ۴۸

[۵]۔ کاظمی، علامہ سید احمد سعید، تقریر ''انا اعطینا ک الکوثر کی تشریح''، مشمولہ، خطبات کاظمی: علی پور (ضلع مظفر گڑھ)، ناشر مکتبہ انوار صوفیہ ٹرسٹ، س ن، ص ۹۴

نوٹ: یہ تقریر علامہ کاظمی کریم علیہ الرحمۃ (م ۱۹۸۶ء) نے بمقام مدینہ منورہ بر مکانِ، شیخ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی قدس سرہٗ (م ۱۹۸۱ء)، فرمائی تھی۔ (خلیل)

[۶]۔ سورۃ بقرہ، آیت ۵۸

[۷]۔ سورۃ الحج، آیت ۴۲

[۸]۔ سورۃ المائدہ، آیت ۲

[۹]۔ سورۃ بقرہ، آیت ۴۵

[۱۰]۔ کاظمی، علامہ سید احمد سعید، عبادت واستعانت: کراچی، مجلس رضا، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱

[۱۱]۔ دہلوی، شاہ عبدالعزیز، تفسیر عزیزی: دہلی، مجتبائی، ۸/۱

نوٹ: یہاں چند وہابی، دیوبندی علما کی آرا نقل کی جاتی ہیں تاکہ یہ بھی معلوم ہو کہ ان کے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا کیا مقام ہے۔

☆ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (پ ۱۲۴۸ھ ۔م ۱۳۰۷ھ):

''شاہ عبدالعزیز بن شیخ اجل ولی اللہ محدث دہلوی بن شیخ عبدالرحیم عمری رحمہم اللہ، استاذ الاساتذہ، امام نقاد، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف اور دیارِ ہند کے خاتم المفسرین ومحدثین اور .... اپنے وقت میں علما و مشائخ کے مرجع تھے، تمام علوم متداولہ اور غیر متداولہ میں خواہ فنونِ عقلیہ ہوں یا نقلیہ، ان کو جو دستگاہ حاصل تھی وہ بیان سے باہر ہے''۔

(قنوجی، نواب صدیق حسن خاں، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین: کانپور، مطبع نظامی، ۱۲۸۸ھ، ص ۲۹۶)

☆ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (پ ۱۸۷۴ء ۔م ۱۹۵۶ء):

''بڑے بڑے علما آپ کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں اور فضلا آپ کی تصنیف کردہ کتابوں پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں''۔

(سیالکوٹی، مولانا محمد ابراہیم، تاریخ اہل حدیث: سرگودھا، ناشر مکتبۃ الرحمان سلفیہ، س ن، ص ۲۸۸)

☆ مولانا سرفراز خاں صفدر (پ ۱۹۱۷ء):

''بلاشبہ مسلک دیوبند سے وابستہ جملہ حضرات شاہ عبدالعزیز صاحب کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں، بلاشبہ دیوبندی حضرات کے لیے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا فیصلہ حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے''۔

(صفدر، مولانا سرفراز خاں، اتمام البرہان: گوجرانوالہ، مکتبہ صفدریہ، ۱۹۸۱ء، ۱/۱۳۸)

[۱۲]۔ عثمانی، مولانا شبیر احمد، تفسیر عثمانی: کراچی، دارالاشاعت، س ن، ص ۲۷

[۱۳]۔ رانا، خلیل احمد، یادداشتیں (قلمی): مملوکہ، خود

[۱۴]۔ حسین علی، مولانا، احسن التفسیر المعروف تفسیر بے نظیر: سرگودھا، مکتبۃ الحسینیہ، ۱۴۱۲ھ، اوّل، ص ۵

[۱۵]۔ ایضاً: بلغۃ الحیران: لاہور، انجمن حمایت اسلام پریس، س ن، ص ۳۵۴

[۱۶]۔ السبکی، امام تقی الدین، شفاء السقام: فیصل آباد، مکتبہ نوریہ رضویہ، س ن، ص ۱۷۵

[۱۷]۔ حسین علی، مولانا، فیوضات حسینی۔ اردو ترجمہ مع متن۔ تحفہ ابراہیمیہ: مترجم، مولانا عبدالحمید سواتی، گوجرانوالہ، ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم، ۱۳۸۷ھ، ص ۱۲۲

[۱۸]۔ نانوتوی، مولانا محمد قاسم، قصائد قاسمی: ملتان، مکتبہ قاسمیہ، چوک فوارہ، ص ۸

[۱۹]۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، حیوٰۃ المسلمین: کراچی، مکتبہ تحفظ ختم نبوت، س ن، ص ۹

[۲۰]۔ ایضاً: نشر الطیب: لاہور، تاج کمپنی، س ن، ص ۱۹۴

[۲۱]۔ کاندھلوی، مولانا احتشام الحسن، غوث اعظم: لاہور، تبلیغی ادارۂ اسلامیات، ۱۹۷۸ء، اوّل، صفحہ ۳۳

[۲۲]۔ بخاری، امام محمد بن اسمٰعیل، بخاری: لاہور، س ن، ۲/۹۶۳

خطیب، ولی الدین، مشکوٰۃ: لاہور، س ن، ص ۱۹۷

[۲۳]۔ دہلوی، شاہ عبدالحق محدث، اشعۃ اللمعات: دہلی، مطبع مجتبائی، س ن، ۲/۱۹۴

[۲۴]۔ رازی، امام فخر الدین، تفسیر کبیر: قاہرہ، س ن، ۵/۶۸۷)

[۲۵]۔ ایضاً: ۵/۶۸۸، ۶۸۹

[۲۶]۔ خطیب، ولی الدین، ۵۲۱

[۲۷]۔ کاظمی، علامہ سید احمد سعید، درود تاج پر اعتراضات کے جوابات: ملتان، ناشر؟، ۱۹۸۶ء، ۸۱۔۸۵

q p q p q p q p

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ مبارکہ: الادلۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ

﴿...... رافضیوں کی اذان کا حکم ......﴾ [1]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محشی:- محمد شریف رضا عطاری

مسئلہ: از انجمن محب اسلام مرسلہ مولوی صاحب صدر انجمن ۲۱/ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت و جماعت اس مسئلہ میں کہ بالفعل [1] اہل تشیع نے اپنی اذان وغیرہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کلمہ ''خلیفہ رسول اللہ بلا فصل'' [2] کہنا اختیار کیا ہے، پس اہلسنت کو اس کلمہ کا سُننا بمنزلہ تبرا [3] کے ہے یا نہیں اور اس کے انسداد میں کوشش کرنا باعثِ اجر ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا ﴿بیان فرمائیں تاکہ اجر پائیں۔﴾

الجواب:- الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد وخلفائہ الاربعۃ الراشدین وآلہ وصحبہ واھل سنۃ اجمعین۔

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے ہیں اور صلوۃ وسلام رسولوں کے سردار محمد (ﷺ) پر اور ان کے چاروں خلفا راشدین اور آپ کی آل وآپ کے صحابہ کرام اور تمام اہلسنت پر۔

الحق یہ کلمہ مغضوبہ مبغوضہ مذکورہ سوال خالص تبرا ہے اور اس کا سُننا سُنّی کے لیے بمنزلہ تبرا سننے کے نہیں بلکہ حقیقۃً تبرا سننا ہے۔ ''والعیاذ باللہ رب العالمین'' (اللہ رب العالمین کی پناہ) تبرا کے معنی اظہار براءت و بیزاری جس پر یہ کلمہ خبیثہ نہ کنایۃً بلکہ صراحۃً دال ہے۔ کہ اس نفی کے [5] یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ بعد حضور پُرنور سید عالم (ﷺ) مسند نشین نہ ہوئے کہ اُن کا حضور اقدس (ﷺ) کے بعد تختِ خلافت پر جلوس فرمانا، فرمان واحکام جاری کرنا، نظم ونسق ممالکِ اسلامیہ وتمام امور ملک ومال ورزم بزم کی باگیں اپنے دستِ حق پرست میں لینا وہ تاریخی واقعہ مشہور متواتر اظہر من الشمس ہے جس سے دنیا میں موافق مخالف یہاں تک کہ نصاریٰ ویہود ومجوس وہنود کسی کو انکار نہیں بلکہ اُن محبانِ خدا ونوابانِ مصطفےٰ (ﷺ) سے روافض کو زیادہ عداوت کا مبنیٰ (بنیاد) یہی ہے، اُن کے زعم باطل میں استحقاق [6] خلافتِ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجھہ الاسنی میں منحصر تھا۔ جب بحکم الٰہی خلافتِ راشدہ اوّل ان تین سردارانِ مومنین کو پہنچی روافض نے اُنہیں معاذ اللہ مولیٰ علی کا حق چھیننے والا ٹھہرایا اور تقیہ شقیہ [7] کی بدولت حضرت اسد اللہ الغالب کو عیاذًا باللہ سخت نامردود بُزدل وتارکِ حق ومطیع باطل بتایا [8] ع

دوستی بے خرداں دشمنی ست

﴿بے عقل لوگوں کی دوستی اصل میں دشمنی ہے۔﴾

"کبرت کلمة تخرج مِنْ اَفْواهِهِم ان یقولون الا کذبا."

﴿کتنا بڑا بول ہے کہ ان کے منہ سے نکلتا ہے نرا جھوٹ کہہ رہے ہیں۔﴾

تو لاجرم ۹ لفظ "بلا فصل" میں جو نفی ہے ۱۰ اُس سے نفی لیاقت و استحقاق مراد۔ تو اس مجمل ۱۱ لفظ میں غضب وظلم و انکارِ حق و اصرارِ باطل و مخالفتِ دین و اختیار دینا وغیرہ وغیرہ ہزاروں مطاعن ملعونہ جو قومِ روافض اپنے اعتقاد میں رکھتی اور زبان سے بکتی ہے۔ سب دفعۃً موجود ہیں اور لائے نفی ۱۲ سے اپنی براءت و بیزاری کا کھلا اظہار، پھر تبرّا اور کس چیز کا نام ہے، ۱۳ میں اس واضح بات کے ایضاح ۱۴ کرنے یعنی آفتاب روشن کو چراغ دکھانے میں زیادہ تطویل محض بیکار سمجھ کر صرف اس الزامی نظیر پر قناعت کرتا ہوں، اگر کوئی شخص کہے (۱۵ قوم شیعہ میں بعد عبد الرزاق بن ہمام جس نے ۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔ بلا فصل بہاء الدین املی ہونے سے محفوظ اور بظاہر نام اسلام سے محفوظ ہے) تو کیا اُس نے ان دونوں کے بیچ میں جتنے شیعے گزرے مثل طوسی وحلی وکلینی وابن بابویہ وغیرہم ۱۶ سب کو کافر ملعون نہ کہا۔ نہیں نہیں یقیناً اس کے کلام کا صاف صاف یہی مطلب ہے جس کے سبب ہم اہلِ حق بھی اس لفظ پر انکار کریں گے اور اسے ناپسند رکھیں گے کہ ہمارے نزدیک بھی ان پر علی الاطلاق حکمِ کفر ولعنت جائز نہیں۔ ۱۷ انصاف کیجیے کیا اگر یہ بات علانیہ سر بازار پکاری جائے تو شیعہ کو کچھ ناگوار نہ ہوگا یا وہ اسے صریح اپنی توہین وتذلیل نہ سمجھیں گے حالانکہ اس بیچ میں جتنے شیعے گزرے کسی کی مدح وعقیدت شیعہ کے اصول مذہب میں داخل نہیں، نہ معاذ اللہ قرآن وحدیث یا اقوال ائمہ اطہار رضوان اللہ علیھم ان لوگوں کی نیکی وخوبی پر دال' ۱۸ پھر حضرات خلفا ثلثہ رضوان اللہ علیھم جن کی ثنا و مدحت وادب وعقیدت ہم اہل سنت کے اصول مذہب میں داخل، اور ہمارے نزدیک ہزاروں آیات واحادیث ۱۹ حضرت رسالت واقوال ائمہ اہل بیت صلوات اللہ علیہ وعلیھم سے اُن کی لاکھوں خوبیاں تعریفیں مالا مال' اُن کی نسبت ایسا کلمہ مغضوبہ اذان میں پکارا جانا کیونکر ہماری توہین مذہبی نہ ہوگا یا ہمارے دلوں کو نہ دکھائے گا، غرض یہ تو وہ روشن و بدیہی ۲۰ بات ہے جس کے ایضاح کو جو کچھ کہیے اس سے واضح تر نہ ہوگا۔ مجھے بتوفیق اللہ عزوجل یہاں یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ کلمات جو روافضِ حال نے سُنّیوں کی ایذا رسانی کو اذان میں بڑھائے ہیں۔ اُن کے مذہب کے بھی خلاف ہیں۔ ۲۱

﴿۱﴾ ان کی حدیث وفقہ کی رُو سے بھی اذان ایک محدود عبارت معدود کلمات کا نام ہے جن میں یہ ناپاک لفظ داخل نہیں۔ ۲۲

﴿۲﴾ اُن کے نزدیک بھی اُس اذان منقول میں اور عبارت بڑھانا ناجائز وگناہ اور اپنے دل سے ایک نئی شریعت نکالنا ہے۔

﴿۳﴾ ان کے پیشوا خود لکھ گئے کہ ان زیادتیوں کی موجب ایک ملعون قوم ہے جنہیں امامیہ بھی کافر جانتے ہیں۔ ۲۳

میں ان تینوں امور کی سندیں مذہب امامیہ کی معتبر کتابوں سے دُوں گا اور اُن کی عبارتیں مع صاف ترجمہ کے نقل کروں گا۔ وباللہ التوفیق ولہ الحمد علی اراءۃ سواء الطریق

﴿اللہ تعالیٰ سے توفیق ہے اسی کے لیے حمد ہے سیدھا راستہ دکھانے پر۔﴾

سند امر اول: ۔شرائع الاسلام شیخ علی مطبوعہ کلکتہ، مطبع نشاط ۱۲۵۵ھ کے صفحہ ۳۴ پر ہے:

الاذان علی الاشهر ثمانیه عشر فصلا التکبیر اربع والشهادة بالتوحید ثم بالرسالة ثم یقول حی علی الصلوة ثم علی الفلاح ثم حی علی خیر العمل والتکبیر بعده ثم التهلیل کل فصل مرتان. ۲۴

اذان مشہورتر قول پر اٹھارہ کلمے ہیں، تکبیر چار بار اور گواہی توحید کی پھر رسالت کی پھر "حی علی الصلوة" پھر "حی علی الفلاح" پھر "حی علی خیر العمل" اس کے بعد اللہ اکبر پھر اللہ اکبر پھر لا الہ الا اللہ ہر کلمہ دو بار۔

خضیر جی جو شہید ثانی کہا جاتا ہے اس کی شرح مدارک میں لکھتا ہے:

هذا مذهب الاصحاب لا اعلم فیه مخالفا والمستند فیه ماروا ه ابن بابویه والشیخ عن ابی بکر الحجرمی وکلیب الاسدی عن ابی عبد الله علیه السلام انه حکی لهما الاذان فقال الله اکبر الله اکبر' الله اکبر الله اکبر' اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله' اشهد ان محمد ارسول الله' حی علی الصلوة حی علی الصلوة حی علی الفلاح حی علی الفلاح، حی علی خیر العمل حی علی خیر العمل، الله اکبر الله اکبر، لا اله الا الله، والاقامة کذلک وعن اسمعیل الجعفی قال سمعت ابا جعفر علیه السلام یقول الاذان والاقامة خمسة وثلثون حرفا فعد ذلک بیده واحدا واحدا' الاذان ثمانیة عشر حرفا' والاقامة سبعة عشر حرفا، واشار المصنف بقوله علی الاشهر الی ماروا ه الشیخ بسنده الی الحسین بن سعید عن النصر بن سوید عن عبد الله بن سنان قال سالت ابا عبد الله علیه السلام عن الاذان فقال تقول الله اکبر الله اکبر اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمد رسول الله، اشهد ان محمد رسول الله، حیّ علی الصلوة، حیّ علی الصلوة،

حیّ علی الفلاح حیّ علی الفلاح، حیّ علی خیر العمل حیّ علی خیر العمل، الله اکبر الله اکبر، لاالہ الا اللہ' وروی زرارۃ والفضیل عن ابی عبد اللہ علیہ السلام نحو ذلک وحکی الشیخ عن بعض الاصحاب تربیع التکبیر فی اخر الاذان وھو شاذ مردود بما تلونا من الاخبار اہ ملخصاً. ۲۵ ؎

اذان کے وہی اٹھارہ کلمے ہونا مذہب تمام امامیہ کا ہے جس میں میرے نزدیک کسی نے خلاف نہ کیا اور اس کی سند وہ حدیث ہے جو ابن بابویہ وشیخ نے ابوبکر حضرمی وکلیب اسدی سے روایت کی کہ حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے ان کے سامنے اذان یوں بیان فرمائی اللہ اکبر ۴، اشھد ان لا الہ الا اللہ ۲، اشھد ان محمد رسول اللہ ۲، حیّ علی الصلوۃ ۲، حیّ علی الفلاح ۲، حیّ علی خیر العمل ۲، اللہ اکبر ۲، لا الہ الا اللہ ۲ اور فرمایا اسی طرح تکبیر کہے۔ اور اسمٰعیل جعفی سے روایت ہے میں نے حضرت امام ابوجعفر علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ اذان وتکبیر کا مجموعہ پینتیس (۳۵) کلمے ہے، پھر حضرت نے اپنے دست مبارک سے ایک ایک کر کے گنے، اذان اٹھارہ کلمے اور تکبیر سترہ (۱۷)، اور وہ جو مصنف (یعنی حلی نے شرائع الاسلام میں) کہا کہ مشہور تر قول پر اذان کے اٹھارہ کلمے ہیں وہ اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ کرتا ہے جو شیخ نے بسند خود حسین بن سعید اُس نے نصر بن سوید اُس نے عبداللہ بن سنان سے روایت کی کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے اذان کو پوچھا' فرمایا یوں کہہ اللہ اکبر ۲ اشھد ان لا الہ الا اللہ ۲، اشھد ان محمد رسول اللہ ۲، حی علی خیر العمل ۲، اللہ اکبر ۲، لا الہ الا اللہ ۲، (یعنی اس حدیث میں شروع اذان صرف دو تکبیر سے ہے، تو اذان کے سولہ ہی کلمہ رہیں گے) اور زرارہ وفضیل نے امام ممدوح سے یونہی روایت کی اور شیخ نے بعض امامیہ سے آخر اذان میں چار تکبیریں نقل کیں اور وہ شاذ مردود ہے بسبب اُن حدیثوں کے جو ہم نے ذکر کیں اھ ملخصاً۔

شہید شیعہ ابوعبداللہ بن مکی لمعہ دمشقیہ میں لکھتا ہے:

یکبر اربعا فی اول الاذان ثم التشھد ان ثم حیعلات الثلث ثم التکبیر ثم التھلیل مثنی فھذہ ثمانیۃ عشر فصلا، فھذہ جملۃ الفصول المنقولۃ شرعا ولا یجوز اعتقاد شرعیہ غیر ھذہ الفصل فی الاذان والاقامۃ کالتشھد بالولایۃ لعلی اھ ملخصاً. ۲۶ ؎

اوّل اذان میں چار بار اللہ اکبر کہے پھر دونوں شہادتیں پھر تینوں حیّ علی پھر اللہ اکبر پھر لا الہ الا اللہ ہر کلمہ دوبار' یہ اٹھارہ کلمے ہیں' اور کل یہی ہیں جو شرع میں منقول ہوئے اُن کے سوا اذان اور اقامت میں، اور کسی کو مشروع جاننا جائز نہیں جیسے اشھد ان علیا ولی اللہ اھ. ملخصاً.

سند امر دوم: اُسی مدارک میں ہے:

الاذان سنة متلقاه من الشارع کسائر العبادات فیکون الزیادة فیه تشریعا محرما کما یحرم زیادة ان محمد واله خیر البریة فان ذلک وان کان من احکام الایمان الا انه لیس من فصول الاذان. ۲۷

اذان ایک سنت ہے جسے شارع (ﷺ) نے تعلیم فرمایا مثل اور عبادتوں کے تو اس میں کوئی حرف بڑھانا اپنی طرف سے نئی شریعت ایجاد کرنا ہے اور یہ حرام ہے، جیسے ان محمد واله خیر البریه کا بڑھانا حرام ہوا کہ یہ اگرچہ احکامِ ایمان سے مگر اذان کے کلمات سے نہیں۔

اسی میں ہے۔

الاذان عبادة متلقاه من صاحب الشرع فیقتصر فی کیفیتها علی المنقول والروایات المنقولة عن اهل البیت علیهم السلام خالیة عن هذا الفظ فیکون الاتیان به تشریعا محرما. ۲۸

اذان ایک عبادت ہے کہ صاحب شرع (ﷺ) سے سیکھی گئی تو اس کیفیت میں اُسی قدر اقتصار کیا جائے جس قدر شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے منقول ہے اور حضرات اہل بیت کرام علیہم السلام سے روایتیں منقول ہوئیں وہ اس لفظ سے خالی ہیں تو اس کا بڑھانا نئی شریعت تراشنا ہوگا کہ حرام ہے۔

سند امر دوم: شیخ صدوق شیعہ ابن بابویہ قمی کہ ان کے یہاں اکابر مجتہدین وارکان مذہب سے ہے، کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے باب الاذان والاقامة للمئو ذنین میں لکھتا ہے:

روی ابوبکر الحضرمی و کلیب الاسدی عن ابی عبد الله علیه السلام انه حکی لهما الاذان فقال اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان لا اله الا اللّٰه، اشهد ان محمداً رسول الله اشهد ان محمد رسول الله، حیّ علی الصلوة، حیّ علی الصلوة، حیّ علی الفلاح حیّ علی الفلاح، حیّ خیر العمل حیّ علی خیر العمل، اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر لا اله الا اللّٰه' وقال مصنف هذا الکتاب هذا هوا لاذان الصحیح لایزاد فیه ولا ینقص منه والمفوضة لعنهم اللّٰه قد وضعوا اخبارا وزادوا فی الاذان محمد وّال محمد خیر البریّة مرتین، وفی بعض روایاتهم بعد اشهد ان محمدا رسول الله اشهد ان علیا ولی اللّٰه مرتین ومنهم من روی بدل ذلک واشهد ان علیا امیر المئومنین حقا مرتین ولا شک فی ان علیا ولی الله وانه امیر المئومنین حقا وان محمدا واله صلوات الله علیهم خیر البریة ولکن لیس ذلک فی اصل الاذان وانما ذکرت ذلک لیعرف بهذه الزیادة المتهمون بالتفویض المدلسون انفسهم فی جملتنا. ۲۹

ابوبکر حضرمی وکلیب اسدی حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے راوی کہ اُس جناب نے اُن کے

سامنے اذان یُوں کہہ کر سنائی الله اکبر ۴، اشهد ان لا اله الا الله ۲، اشهد ان محمدا رسول الله ۲، حی علی الصلوة ۲، حی علی الفلاح ۲، حی علی خیر العمل ۲، الله اکبر ۲، لا اله الا الله ۲۔

مصنف اس کتاب کا کہتا ہے یہی اذان صحیح ہے نہ اس میں کچھ بڑھایا جائے نہ اس سے کچھ گھٹایا جائے، اور فرقہ مفوضہ نے کہ اللہ اُن پر لعنت کرے کچھ جھوٹی حدیثیں اپنے دل سے گڑھی اور اذان میں "محمد وآل محمد خیر البریة" دوبار بڑھایا اور انہیں کی بعض روایات میں "اشهد ان محمدا رسول الله" کے بعد اشهد ان علیا ولی الله دوبار آیا اور اُن کے بعض نے اس کے بدلے "اشهد ان علیا امیر المؤمنین حقا" دوبار روایت کیا اور اس میں شک نہیں کہ علی ولی اللہ ہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اور اُن کی آل علیہم السلام تمام جہاں سے بہتر ہیں مگر یہ کلمے اصل اذان میں نہیں اور میں نے اس لیے ذکر کردیا کہ اس زیادتی کے باعث وہ لوگ پہچان لیے جائیں جو مذہب تفویض سے متہم ہیں اور برائے فریب اپنے آپ کو ہمارے گروہ (یعنی فرقہ امامیہ) میں داخل کرتے ہیں۔

دیکھو امامیہ کا شیخ صدوق کیسی صاف صاف شہادت دے رہا ہے کہ اذان کے شروع میں وہی اٹھارہ کلمے اور اُن پر یہ زیادتیاں مفوضہ کی تراشی ہوئی ہیں اور صاف کہتا "لعنهم الله" تعالیٰ اُن پر اللہ لعنت کرے۔

تنبیہ لطیف:۔ جس طرح بحمد الله ہم نے یہ امور پیشوایان شیعہ کی تصریحات سے لکھے یونہی مناسب کہ اس کلمۂ خبیثہ کا تبرا ہونا بھی انہی کے معتمدین سے ثابت کردیا جائے صدر کلام میں ۳۰ جس واضح تقریر سے ہم نے اس کا تبرا ہونا ظاہر کیا اُس سب سے قطع نظر کیجئے تو ایک امام شیعہ کی شہادت لیجئے کہ اس کی تقریر سے اس ناپاک کلمے کا سبِ صریح و دشنام قبیح ہونا ثابت۔ ۳۱ ان کا علامہ کتاب المختلف میں لکھتا ہے۔

المفاخرة لا تنفک عن السباب اذا المفاخرة انما تتم بذکر فضائل له وسلبها عن خصمه او سلب رذائل عنه واثباتها لخصمه وهذا معنی السباب . ۳۲

دو شخصوں کا آپس میں تفاخر کرنا (کہ ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے پر کسی فضل وکمال میں ترجیح دے) باہم دشنام دہی سے خالی نہیں ہوتا کہ مفاخرت یونہی تمام ہوتی ہے کہ یہ شخص کچھ خوبیاں اپنے لیے ثابت کرے اور اپنے مقابل کو اُن سے خالی کہے یا بعض برائیوں سے اپنی تبریٰ اور اپنے مقابل کے لیے انہیں ثابت کرے، اور یہی معنی دشنام دہی کے ہیں۔

نقله بعض محشی الروضة البهية شرح اللمعة الدمشقيه علی هامشها من کتاب الحج فی تفسير السباب صفحه ۱۶۱ .

اس کو روضہ بہیہ شرح لمعہ دمشقیہ کے بعض محشی نے اس کے حاشیہ پر کتاب الحج میں سباب کی تفسیر میں صفحہ ۱۶۱ پر نقل کیا ہے۔

اب کہیے کہ خلافت حضور سید عالم (ﷺ) فضیلت ہے یا نہیں، ضرور کہے گا کہ اعلیٰ فضائل سے ہے، اب کہیے "خلیفہ رسول اللہ" کہہ کر آپ نے اُسے مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ کے لیے ثابت اور "بلا فصل" کہہ حضرات خلفاے راشدین ثلثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم سے سلب کیا یا نہیں، اقرار کے سوا کیا چارہ ہے۔ اور جب یوں ہے اور آپ کا علامہ گواہی دیتا ہے کہ شرع میں دشنام اسی کا نام، تو کیا محل انکار رہا کہ یہ مبغوض کلمہ معاذ اللہ علی الاعلان ہمارے پیشوایانِ دین کو صاف صاف دشنام دیتا ہے پھر تبرا نہ بتانا عجیب سینہ زوری ہے۔

﴿ھاں اب داد انصاف طلب ھے﴾

اگر بالفرض یہ کلمۂ ملعونہ ان کی مذہبی اذان میں داخل ہوتا اور ان کے یہاں روایات میں آتا تو کہہ سکتے کہ صرف اہلسنّت کا دل دُکھانا مقصود نہیں بلکہ اپنی رسم مذہبی پر نظر ہے اب کہ یقیناً ثابت کہ کلمۂ مذکورہ خود اُن کے مذہب میں بھی نہیں، نہ صاحب شرع (ﷺ) سے اس کی روایت نہ حضرات ائمہ اطہار سے اس کی اجازت، نہ ان کے پیشواؤں کے نزدیک اذان کی یہ ترتیب وکیفیت، بلکہ خود انہیں کی معتبر کتابوں میں تصریح کہ یہ اذان میں صرف اتنا بڑھانا بھی حرام ہے کہ "اشھد ان علیا ولی اللہ" اور یہ زیادتیاں اس فرقہ ملعونہ کی نکالی ہوئی ہیں جو باتفاق اہلسنّت وشیعہ کافر ہیں، تو ایسی حالت میں اس کے بڑھانے کو ہرگز کسی رسم مذہبی کی ادا پر محمول نہیں کر سکتے بلکہ یقیناً سوا اس کے کہ اہلسنّت کو آزار دینا اور اُن کا دل دُکھانا اور اُن کی توہین مذہبی کرنا مدنظر ہے اور کوئی غرض مقصود نہیں۔ سبحان اللہ! طرفہ بے باکی ہے اگر یہ ناپاک لفظ اُن کی اذان مذہبی میں ہوتا بھی تاہم کوئی فریق اپنی رسمِ مذہبی کا اعلان نہیں کر سکتا جس میں دوسرے فریق کی توہین مذہبی یا اس کے پیشوایان دین کی اہانت ہو، نہ کہ یہ ناپاک رسم خود شیعہ کے بھی خلاف مذہب ملعون کافروں سے سیکھ کر یہ اعلان کریں اور ہمارے پیشوایان دین کی جناب میں ایسے الفاظ کہہ کر جو بتصریح انہیں کے عمائد ۳۳ کے صریح دشنام ہیں ہمارا دل دکھائیں کیا اب ہند میں روافض کی سلطنت ہے یا گورنمنٹِ ہند شیعہ ہوگئی یا اس نے ہماری توہین مذہبی کی پروانگی دے دی یا شیعی صاحبوں نے کوئی خفیہ طاقت پیدا کر لی جس کے باعث ارتکاب جرم میں دہشت نہ رہی، فالی اللہ المشتکی علیہ البلاغ وھو المستعان ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولنا محمد والہ وصحبہ اجمعین، والحمد للہ رب العلمین۔

﴿......حواشی......﴾

۱ ان دنوں شیعوں نے۔

۲ یعنی شیعوں نے اپنی اذان میں سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باقی تینوں خلفاے راشدین کی نفی

ہے۔ جس کی آگے اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ وضاحت فرمائیں گے۔

۳ تبرا کے معنی براءت وبیزاری کے ہیں، جیسا کہ آگے اس کی وضاحت خود فرمائیں گے۔ چونکہ روافض میں خلفاے راشدین پر لعن طعن کیا جاتا ہے، اور ان سے براءت و بیزاری کی جاتی ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ اس کلمہ کو سننا خلفا راشدین پر بیزار و براءت ظاہر کرنے کی طرح ہے یا نہیں؟

۴ یعنی حق تو یہ ہے کہ یہ بغضیانہ کلمہ نہ صرف تبرا سننے کی طرح ہے، بلکہ تبرا ہی ہے۔

۵ یعنی اس انکار کرنے کے ظاہری معنی نہیں جو مذکورہ کلمے میں ہیں، کہ خلفاے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیهم اجمعین حضور (ﷺ) کے بعد تختِ خلافت پر متمکن نہ ہوئے، اور امور خلافت کو نہ سنبھالا، مثلاً احکام جاری کرنا، جنگوں اور مجلسوں میں شرکت وغیر وغیرہ کیونکہ یہ تو بالکل کتب تواریخ سے سورج کی روشنی کی طرح واضح ہے۔ جس سے سب متفق ہیں، بشمول یہود ونصاریٰ وہنود کے۔

۶ ان کے گمانِ بد کے مطابق خلافت کے مستحق صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

۷ تقیہ کا معنی چھپانا ہے چونکہ شیعہ حضرات خلفاء راشدین پر لعن طعن کرتے ہیں اور اسے مخفی رکھتے ہیں، اور شقیہ کا مطلب۔ بُرا۔

۸ یعنی بقول روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلفا ثلثہ نے حق چھینا ہے تو ان کے اس قول کے مطابق معاذ اللہ عزوجل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزدل، اور باطل کی اطاعت کرنے والے ٹھہرے۔

۹ یقیناً۔

۱۰ یعنی لامحالہ لفظ ''بلا فصل'' یعنی جو مذکورہ کلمے میں گذرا جس سے بقیہ خلفاے راشدین کی خلافت کا انکار کیا ہے کہ ''لام'' حرف میں جو نفی ہے اس سے آپ کی وہ نفی مراد نہیں جس کی وضاحت ''۷ نمبر'' کے حاشیہ میں کی ہے بلکہ وہ اس سے ان کے خلافت کے مستحق ہونے کی نفی ہے۔

۱۱ یعنی اس گول لفظ میں، قوم شیعہ ایک نہیں بلکہ سینکڑوں عقائد بد رکھتی ہے۔ جیسے غضب وظلم، اور انکار حق، اصرار باطل مخالفت دین وغیرہ وغیرہ۔

۱۲ یعنی مذکورہ کلمے کے جملے ''بلا فصل'' میں لام جو نفی کا استعمال ہوا ہے اس سے اپنی براءت بیزاری کا کھلا اظہار کیا ہے۔

۱۳ یہ لوگ ''بلا فصل'' میں براءت و بیزاری کا اعتقاد تو رکھتے ہیں۔ پھر اس کے علاوہ تبرا اور کیا ہوسکتا ہے۔

۱۴ یعنی اس واضح بات کو مزید واضح کرنا، سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ مضمون کو طویل کرنے کے بجائے صرف ان ہی کے علما سے اذان میں اس جملے کی نفی ثابت کی جاتی ہے۔

۱۵ یہ دونوں مقدمین شیعہ علما میں سے ہیں۔ یعنی اگر کوئی ان دونوں کے نام کے ساتھ ''بلا فصل'' کے قید

لگا کر بقیہ سب جو ان کے درمیان گذرے ہیں کو کافر کہے۔

۱۶ اور ان کے علاوہ دیگر شیعہ علما۔

۱۷ کیوں کہ ابتدا میں کافی شیعہ متقدمین علما ایسے گذرے ہیں، جو صحابہ کرام پر لعن طعن نہیں کرتے تھے، بلکہ حُبِ اہل بیت کی وجہ سے شیعہ تھے، سبحان اللہ عز وجل، اس موقعہ پر سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی احتیاط فتوی بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ (ﷺ) کسی پر بھی بے دھڑک حکم کفر نہیں لگاتے۔

۱۸ یعنی خلفا راشدین کا مرتبہ پر تو قرآن مجید واحادیث اور اکابرین کے اقوال شاہد ہیں برعکس ان کے کہ ان کے شان ومناقب میں کوئی آیت وحدیث دلالت نہیں کرتی۔

۱۹ یعنی خلفاے راشدین کے مراتب تو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں۔ اور احادیث سے بھی آپ کے عالی مقام کی صراحت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا میرے بعد ابوبکر وعمر کی پیروی کرنا۔ ﴿جامع ترمذی﴾

۲۰ بدیہی اُسے کہتے ہیں جس کو واضح کرنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ وہ خود واضح ہو، جیسے سردی گرمی۔

۲۱ جس کی آگے وضاحت کی جارہی ہے۔

۲۲ یعنی اذان اٹھارہ کلموں کا مجموعہ ہے، جن میں مذکورہ بالا جملۂ ملعونہ شامل نہیں۔

۲۳ یعنی اس قوم سے مراد فرقہ مفوضہ ہے، جن کی آگے وضاحت آئے گی۔

۲۴ شرائع الاسلام۔ جلد اوّل صفحہ ۷۵، مطبعۃ الآداب فی النجف الاشرف۔

۲۵ مدارک الاحکام شرح شرائع الاسلام۔

۲۶ اللمعۃ الدمشقیہ۔ ۲۷ ایضاً۔

۲۸ مدارک الاحکام شرح شرائع الاسلام۔

۲۹ من لا یحضر الفقیہ باب الاذان والاقامۃ الخ دار الکتب الاسلامیہ تہران ایران۔ ۱/ ۸۹۔۱۸۸

۳۰ یعنی فتاوے کے شروع میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس کلمے کے تبرا ہونے کے متعلق جو کلام کیا۔

۳۱ یعنی اگر صرف ان کے ہی عالم کی تقریر پر اکتفا کیا جائے، تو یہاں بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ تبرا ہی ہے۔

۳۲ کتاب المختلف۔

۳۳ انھی کے علما کے نزدیک۔

00000

امام احمد رضا اور ان کی وعظ گوئی

از: رحمت علی مصباحی ویشالوی

امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت پر جس پہلو سے بھی نظر ڈالیں یکتا ویگانہ نظر آئے گی۔ عبادت، ریاضت، علم و آگہی، فکر و تدبر، فضل و کمال، دینی بصیرت، فقہی صلاحیت ہر میدان میں اپنے تو اپنے بیگانوں نے بھی آپ کی شہسواری کا لوہا مانا ہے جس کے بے شمار شواہد صفحۂ ہستی پر بکھرے پڑے ہیں۔ مگر آپ کی ذات کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کی جانب صاحبانِ قلم کی توجہ عام طور پر مبذول نہیں ہوتی۔ اور وہ ہے ''امام احمد رضا اور ان کی وعظ گوئی''

یہ حقیقت ہے کہ جس طرح دینِ پاک کی نشر و اشاعت تحریر و تصنیف سے ہوتی ہے اسی طرح اس کا فروغ و ارتقا وعظ و تقریر سے بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیٔ کونین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے قطب ربانی، محبوب سبحانی، غوث صمدانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کو وعظ و نصیحت کا حکم دیا۔ اور منہ میں لعابِ دہن ڈال کر فرمایا۔ ''جاؤ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرو اور حکمت سے نیک باتوں کی طرف بلاؤ۔ [۱]

لیکن ہر ایک کو وعظ و نصیحت کی اجازت نہیں کیوں کہ اس سے واعظ اور سامع دونوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔ [۲]

اور ساتھ ہی آپ نے عالم کی بالکل صاف اور شستہ تعریف کر دی تاکہ اردو کی دو چار کتاب پڑھ لینے والا آدمی اپنے کو عالم سمجھ کر شیطان کے پھندے میں نہ آجائے، فر[مات]ے ہیں۔

''عالم کی تعریف یہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور مستق[ل] ہو۔ اپنی ضروریات کو کتابوں سے نکال بغیر کسی کے مدد کے''۔ [۳]

پھر ایک عالم کو وعظ و نصیحت کی ترغیب اور اس پر تاکید کرتے ہوئے اس [کی] اہمیت و ضرورت کو واشگاف کرتے ہوئے فرمارہے ہیں۔

''رہا یہ کہ اب وعظ کرے یا نہیں اگر وہ وعظ اللہ عزوجل کے لیے کرتا ہے اور طلب مال [ی]ا اپنی شہرت و ریاست مقصود نہیں اور اس کا وعظ مطابق شرع ہے۔ اتنا علم [بھ]ی وافی رکھتا ہے جس سے اسے وع[ظ] کی اجازت ہو جب تو ظاہر ہے کہ ایسے بندۂ خدا ہادیٔ راہِ ہدیٰ کا وعظ [سن]نا اس کے اور مسلمانوں کے سب کے حق میں بہتر ہے۔'' [۵]

معلوم ہوا کہ متجر اور جانکار عالم کو تدریس و تصنیف کے ساتھ وعظ و تقر[یر سے] بھی قوم کی خدمت

کرنی چاہیے۔ لیکن خالصاً لوجہ اللہ ورنہ غرضِ فاسد یا عقیدۂ فاسدہ یا حصولِ دولت و شہرت کے لیے تقریر کرنے والوں کے حق میں رقمطراز ہیں۔

''اور اگر ان باتوں سے کوئی بات کم ہے مثلاً علمِ دین کافی نہیں یا کسی غرضِ فاسد یا عقیدۂ فاسدہ کے باعث وعظ خلافِ شرع ہے جب تو ظاہر ہے کہ اس کا وعظ اس کے اور مسلمانوں سب کے حق میں بُرا ہے'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

من قال فی القرآنِ بغیر علمٍ فلیتبو المقعده من النار۔

(رواۃ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

اور اگر مال یا شہرت مقصود ہے تو اگر چہ مسلمانوں کے لیے اس کا وعظ مفید ہو خود اس کے حق میں سخت مضر ہے۔ علما فرماتے ہیں ایسے اغراض کے لیے وعظ ضلالت اور یہود و نصاریٰ کی سنت ہے۔ درمختار میں ہے۔

التذکیر علی المنابر للواعظ والا تعاظ سنة الانبیاء والمرسلین ولر یاسةٍ ومالٍ و قبولِ عامةٍ ضلالة الیهود والنصاری ۲

یہی وجہ تھی کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیشہ ور مقررین کی وعظ و تقریر اور اس کی مجلسوں میں جانے سے احتراز فرماتے تھے۔ پھر ایک دوسری وجہ بھی بالکل ظاہر و باہر ہے کہ آپ کے زمانے میں گستاخانِ رسول نے ناموسِ رسالت پر قلم کے ذریعے حملہ کیا تھا اس لیے اس کا جواب بھی قلم ہی سے دینا زیادہ مناسب تھا لہٰذا آپ روز و شب قلم، کاغذ اور کتاب میں مصروف رہتے۔

مگر ایسی بات بھی نہیں کہ آپ کی ذات فنِ وعظ گوئی کے جائز مظاہرے سے یکسر خالی تھی۔ بلکہ اس قسم کے کتنے ہی واقعات ملتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مسلمانوں کی بڑی بڑی مجلسوں میں وعظ کہا اور اپنی با اثر تقریر فرمائی کہ لوگوں کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو چھلک پڑے۔ اور کتنے ہی لوگ جب اس مجلس سے اُٹھے تو اپنے تاریک ماضی سے تائب ہو چکے تھے۔

آپ کے وعظ و تقریر کی ابتدا کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جامع مسجد شمسی بدایوں میں حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے موذنِ مسجد سے کہہ دیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب کے وعظ کا اعلان کر دینا اور حضرت کو کوئی اطلاع نہیں دی۔ موذن نے نمازِ جمعہ کے سلام کے فوراً بعد کھڑے ہو کر اعلان کر دیا۔ سب حضرات سنن و نوافل کے بعد تشریف رکھیں۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا وعظ ہوگا۔ جب اعلیٰ حضرت سنن و نوافل سے فارغ ہوئے دیکھا کہ سب لوگ بہزار ذوق و شوق انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے عذر فرمایا کہ میں تو وعظ

نہیں کہا کرتا۔ مولانا عبدالقیوم صاحب نے فرمایا تو آج یہیں سے وعظ کی ابتدا ہو۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا آپ نے پہلے سے مجھے خبر نہ دی۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اعلیٰ حضرت حسب اصرار منبر پر تشریف لے گئے اور دو گھنٹے کامل نہایت ہی پُر اثر زبردست وعظ فرمایا۔ مولانا عبدالقیوم صاحب نے بعد ختم وعظ مصافحہ کیا اور فرمایا کہ کوئی عالم کتاب دیکھ کر آنے کے بعد بھی ایسے پُراز معلومات بیان سے حاضرین کو محظوظ نہیں کرسکتا ہے۔ یہ وسعتِ معلومات جناب ہی کا حصّہ ہے۔ ے

مندرجہ بالا سطور سے یہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح بے نقاب ہوکر سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان دیگر علوم وفنون کی طرح فن وعظ گوئی میں بھی کامل مہارت اور بھر پور دسترس رکھتے تھے۔ معذرت طلب کرنا خاکساری اور کسر نفس کی وجہ سے ہے۔ آپ سال میں تین وعظ بہت ہی زبردست فرمایا کرتے تھے۔ ایک سالانہ جلسہ دستار بندی طلبائے فارغ التحصیل مدرسہ اہلسنت و جماعت مسجد بی بی محلہ بہاری پور میں۔ دوسرا مجلس میلاد النبی ﷺ میں جو حضور کی طرف سے ہر سال ۱۲ر ربیع الاوّل شریف کو دونوں وقت صبح آٹھ بجے سے اور شب کو بعد نماز عشاء حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب کے دولت کدہ پر کہ وہی آبائی مکان اعلیٰ حضرت کا ہے، منعقد ہوتی تھی۔ بتاتے ہیں کہ شہر کے جملہ عمائد ومعززین مطبوعہ دعوت نامہ کے ذریعہ اس میں مدعو ہوتے تھے۔ اور اس جلسے کا اہتمام اس طرح کیا جاتا تھا کہ پورے شہر کے لوگ اس میں شریک ہوتے تھے۔

تیسرا وعظ ۱۸ر ذی الحجہ کو عرس سراپا قدس حضرت خاتم الاکابر وارث العلم والمجد والفضل حضرت سیدی ومرشدی جناب سید شاہ آلِ رسول صاحب مارہروی قدس سرہ کے موقع پر جو ہر سال اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاشانۂ اقدس پر انجام پاتا تھا۔

ان کے علاوہ اہل شہر کے اصرار وتمنا پر دیگر مجالس میں بھی گلہائے رنگارنگ کھلاتے تھے۔ ایک تقریر کے چند سطور سپرد قرطاس ہیں ملاحظہ فرمائیں اور دل ودماغ کو جلا اور تازگی بخشیں۔

امام اہلسنّت نے دورانِ تقریر بسم اللہ الرحمان الرحیم پر گفتگو کرتے ہوئے ایسی انوکھی تشریح کی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ فرماتے ہیں۔

''تمام سورہ قرآن کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے فرمائی گئی اوّل حقیقی اللہ عزوجل ہے۔ ھو الاوّل والاخر والظاھر والباطن وھوبکل شئی علیم۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا اسم جلالت سے ہونی چاہیے تھی کہ اللہ الرحمٰن الرحیم مگر ابتدا یوں فرمائی گئی بسم اللہ الرحمان الرحیم وہ جو اوّل حقیقی اللہ کا علم ذات ہے کہ ذات واجب الوجود مجتمع جمیع صفات کمالیہ پر دال ہے اس سے پہلے لفظ اسم کا لائے اور اس پر با کا حرف داخل فرمایا گویا اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ اپنی الوہیت، وحدانیت وھویت میں

بے غایت ظہور سے بے غایت بطون میں ہے۔ بندوں کو اس تک وصول محال کسی کی عقل، کسی کا وہم کسی خیال اس تک نہیں پہونچ سکتا۔ جس کا نام اللہ ہے وہ پاک ومنزہ ہے اس سے کہ اس تک فکر و وہم کا وصول ہو سکے ایسی مخفی و باطن شے تک وصول کے لیے علامت درکار ہے اور اسم کہتے ہیں علامت کو جو دلالت کرے ذات پر تو اسم اللہ ذریعہ ہوا اس کا اور اسم جب کہ نام ٹھہرا اس شے کا جو دلالت کرنے والی ذات پر ذات پاک ہے اس سے کہ اسے کسی چیز کی حاجت ہو ضرور ہے کہ ذات پر دلالت کرنے کے تین چیزیں ہونی چاہئیں۔

ایک ذات ہو۔ دوسرا اس کا غیر ہو اور تیسرا بیچ میں کوئی واسطہ ہو جو دلالت کرے اس غیر کو ذات کی طرف۔ وہ ذات ذاتِ الٰہی ہے وہ غیر یہ تمام عالمِ مخلوقات اور اسم اللہ کہ اللہ پر دلالت کرنے والا ہے وہ محمد ﷺ ہیں تو گویا ابتدا ہی نام پاک سے کی گئی۔ اپنے نامِ پاک سے پہلے نام حضور اقدس ﷺ کا جاتا ہے کہ ذریعہ وصول ہیں اسم اللہ تمام مخلوقات کے لیے تو ازل سے ابد تک وجود میں لائی گئی ذات اقدس کی طرف دال ہے اس واسطے کہ تمام جہان کو اللہ کی طرف حضور ہی نے ہدایت فرمائی۔ ۸

ماشاء اللہ دنیائے اسلام جس قدر بھی اپنی قسمت کی بلندی اور اس کی رفعت پر ناز کرے کم ہے اس کا امام جس میدان میں جا رہا اسی کی سکہ رواں دواں نظر آرہا ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

مذکورۃ الصدر گہر آمیز جملے امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی اور زبردست تقریر جو آپ نے جشن میلاد النبی کے مبارک و مسعود موقع پر اپنے آبائی مکان حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدہ پر کی گئی تھی معمولی ساحصہ ہے۔ یقیناً فاضل بریلوی نے اتنے انوکھے اور حسین انداز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تشریح کی کہ دل کا سرور بام عروج سے ٹکرا رہا ہے۔ اور ذہن وقلب کو ایک نئی روشنی اور عظیم فرحت محسوس ہو رہی ہے۔

تمہی پھیلا رہے ہو علمِ حق اکناف عالم میں
امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو

حوالے جات

(۱) حیات غوث الوریٰ ص ۲۹۔

(۲) الملفوظ ص ۷ حصہ اول۔

(۳) ایضاً

(۴) امام احمد رضا اور بدعات ومنکرات ص ۴۴۱، ۴۴۶، بحوالہ فتاویٰ رضویہ۔

(۵) ایضاً (۶) ایضاً (۷) حیات اعلیٰ حضرت

ہمزاد کو قابو کرنے کی حقیقت

......اعلیٰ حضرت کی تحقیق......

مسئلہ: از میرٹھ مرسلہ مولوی محمد حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب مسجد جامع خیر نگر، مدرس مدرسہ قومیہ

(۱) ہمزاد کیا ہے، اس کے تسخیر کے لیے عمل کرنا کیسا ہے؟

(۲) آسیب، بھوت، چڑیل وغیرہ شہید وغیرہ جو مشہور ہیں صحیح ہیں یا غلط؟

(۳) دستِ غیب اور مصلّے کے نیچے سے اشرفی وغیرہ نکلنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ہمزاد از قسم شیاطین ہے۔ وہ شیطان کہ ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتا ہے وہ مطلقاً کافر، ملعون ابدی ہے۔ سوا اس کے جو حضور اقدس ﷺ (کی خدمتِ اقدس) میں حاضر تھا وہ برکت صحبتِ اقدس سے مسلمان ہو گیا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''لوگو! تم میں سے کوئی شخص نہیں کہ جس کے ساتھ (ایک) ہمزاد جن اور (ایک) ہمزاد فرشتہ نہ ہو۔'' لوگوں نے عرض کی۔ ''یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی (یہی معاملہ) ہے؟'' ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ وہ مسلمان ہو گیا لہٰذا وہ مجھے سوائے بھلائی کے کچھ نہیں کہتا۔''

(صحیح مسلم، کتاب الصفۃ المنافقین)

اسی طرح طبرانی نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور بزار حضرت عبداللہ بن عباس یا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں،

''دوسرے انبیاءِ کرام پر دو باتوں میں مجھے فضیلت بخشی گئی، ایک یہ کہ میرا شیطان کافر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قوت دی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا۔''

(کشف الاستار عن زوائد البزار۔ حدیث ۲۴۳۸)

بیہقی و ابو نعیم دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''حضرت آدم پر مجھے دو خصلتوں میں فضیلت دی گئی، ایک یہ کہ میرا شیطان کافر تھا کہ اللہ تعالیٰ

نے مجھے اس پر غلبہ دیا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگیا اور میری بیویاں میری مددگار ہیں، اور حضرت آدم
شیطان کافر رہا اور ان کی بیوی نے خطا پر ان کی مدد کی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی تحدث رسول اللہ ﷺ ۵/۱۸

اُس کی تسخیر جو سفلیات سے ہو وہ تو حرام قطعی بلکہ اکثر صور میں کفر ہے کہ بے اُن کے خوشامد
مدائح و مرضیات کے نہیں ہوتی اور جو علویات سے ہو وہ اگرچہ بصولت و سطوت ہے مگر اُس کا ثمرہ غالباً ا
کاموں میں شیطان سے ایک نوع استعانت سے خالی نہیں ہوتا کہ وہ غلبۂ قاہرہ کہ

''اور اُن میں سے جو کوئی اس کے حکم سے منہ پھیرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھا
گے۔ (القرآن الکریم ۳۴/۱۲)

جو استجابتِ دعا ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (القرآن الکریم ۳۸/۳۵) (مجھے ا
بادشاہی دے ڈال جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔) سے تاشی ہر ایک کو کہاں نصیب، اور بالفرض نہ
ہو تو کافر شیطان کی مخالطت ضرور مورث تغیر احوال و حدوث ظلمت۔ حضرت سیدنا شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں کہ کم از کم وہ ضرر کہ صحبتِ جن سے ہوتا ہے یہ ہے کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ
تو راہِ سلامت اُس سے بُعد و مجانبت ہی میں ہے، ربِّ عزوجل تو اس دعا کا حکم دے کہ اعوذبک ر
ان یحضرون (القرآن الکریم ۲۳/۹۸) (اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے
شیطان میرے پاس حاضر ہوں) اور یہاں یہ رٹ لگائی جائے کہ حاضر شو حاضر شو والعیاذ باللہ تعالیٰ
واللہ تعالیٰ اعلم۔ (حاضر ہوجا، حاضر ہوجا، اور اللہ تعالیٰ کی پناہ، اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا عالم ہے)

(۲) ہاں جن اور ناپاک روحیں مرد و عورت احادیث سے ثابت ہیں اور وہ اکثر ناپاک موقعوں پر ر
ہیں، اُنھیں سے پناہ کے لیے پاخانہ جانے سے پہلے یہ دعا وارد ہوئی۔

اعوذ باللہ من الخبث والخبائث۔ میں گندی اور ناپاک چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

(مسند امام احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ ۳/۱

وہ سخت جھوٹے کذاب ہوتے ہیں' اپنا نام کبھی شہید بتاتے ہیں اور کبھی کچھ۔ اس وجہ سے جاہلجب
بے خرد (بے عقل جاہلوں) میں ''شہیدوں کا سر پر آنا'' مشہور ہوگیا' ورنہ شہدا کرام ایسی خبیث حرکات
منزہ و مبرا ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ہاں صحیح ہے مگر اس عمل داری میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ دستِ غیب کے نہایت درجہ کا حاصل ا
صرف فتوحِ ظاہرہ و وسعت رزق ہوتا ہے، پھر اگر دستِ غیب اس طرح ہو کہ جن کو تابع کرکے اس
ذریعہ سے لوگوں کے مال معصوم منگوائے جائیں تو اشد سخت حرام کبیرہ ہے، اور اگر سفلیات سے ہو تو قر

کفر اور علویات سے ہو تو خود یہ شخص مارا جائے گا یا کم از کم پاگل ہو جائے یا سخت سخت امراض و بلایا میں گرفتار ہو۔ اعمالِ علویہ کو ذریعہ حرام بنانا ہمیشہ ایسے ثمرے لاتا ہے اور اس کے حرام قطعی ہونے میں کیا شبہہ ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔

اور اگر کسی دوسرے کی ملک معصوم نہ لائی جاتی ہو بلکہ خزانۂ غیب سے اس کو کچھ پہنچایا جائے یا مالِ مباح غیر معصوم اور وہ جن کہ مسخر کیا جائے مسلمان ہو نہ کہ شیطان، اور اعمالِ علویہ سے ہو نہ کہ سفلیہ سے، اور اسے منگا کر مصارفِ محمودہ یا مباحہ میں صرف کرے نہ کہ معاذ اللہ حرام و اسراف میں، تو یہ عمل جائز ہے، اور جو اس طریقے سے ملے اس کا صَرف کرنا بھی جائز کہ جس طرح کسبِ حلال کے اور طُرق ہیں اسی طرح ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ دستِ غیب کا سب سے اعلیٰ عمل، قطعی عمل، یقینی عمل جس میں تخلف ممکن نہیں اور سب اعمال سے سہل تر خود قرآن عظیم میں موجود ہے، لوگ اسے چھوڑ کر دشوار دشوار ظنیات بلکہ وہمیات کے پیچھے پڑتے ہیں اور اُس سہل و آسان یقینی و قطعی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

قال اللہ تعالیٰ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ (القرآن الحکیم ۲/۶۵)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا' جو اللہ سے ڈرے تقویٰ و پرہیزگاری کرے اللہ عزوجل ہر مشکل سے اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔

اور دستِ غیب کسے کہتے ہیں، اسی طرح لوگ عملِ حُب کے پیچھے خستہ وخوار پھرتے ہیں اور نہیں ملتا، اور حُب کا سہل ویقینی وقطعی عمل قرآن عظیم میں مذکور ہے اس کی غرض نہیں کرتے۔

قال اللہ تعالیٰ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودًا۔ (القرآن الحکیم)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے قریب ہے کہ رحمان ان کے لیے محبت کردے گا (دلوں میں ان کی حب ڈال دے گا)

نسأل اللہ حسن التوفیق (ہم اللہ تعالیٰ سے حسنِ توفیق مانگتے ہیں۔) واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۱ صفحہ ۲۱۸)

تھیسس اور تحقیقی مقالہ نگاروں کے لیے رہنما اُصول اور تجاویز

(مکتوباتِ مسعودی کی روشنی میں)

ترتیب و تحریر: **خورشید احمد سعیدی**

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد زید مجدہ کو محققین (Researchers) کی رہنمائی کرتے ربع صدی سے زائد عرصہ گذر چکا ہے۔ پاکستان، امریکہ، برطانیہ، بنگلہ دیش، ہندوستان، مصر وغیرہ ممالک کے سینکڑوں محققین اور مقالہ نگاروں نے حصولِ رہنمائی کے لیے اُن سے رابطے کیے، خطوط لکھے، ملاقاتیں کیں اور گوہرِ مقصود پایا۔ اُن کے مکتوبات کا ایک مجموعہ ''مکتوباتِ مسعودی'' کے نام سے ادارۂ تحقیقات اِمام احمد رضا کراچی نے اپریل ۲۰۰۵ء میں شائع کیا ہے۔ یہ مکتوبات ویسے تو متنوع معلومات کا بیش بہا خزانہ ہیں لیکن محققین بالخصوص امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حوالے سے تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یہ ایک خصوصی تحفہ ہے۔ زیرِ نظر مضمون اِسی مجموعۂ مکتوبات سے ماخوذ ہے جس کا مقصد تحقیق سے متعلق مختلف صفحات پر بکھری ہوئی معلومات، ہدایات، تجاویز وغیرہ کو ایک جگہ مرتب کر کے نئے اسکالرز، نوجوان محققین اور عام مقالہ نگاروں کی خدمت میں ایک گلدستہ کی شکل میں پیش کرنا ہے تاکہ جب وہ اپنا تھیسس (Thesis) یا مقالہ (Research Paper) مرتب کریں یا کسی موضوع پر برائے اشاعت قلم اٹھائیں تو اِن اُصول ضوابط سے استفادہ کریں، اپنی بات میں وزن پیدا کریں، قاری کو بہتر طور پر متاثر کریں، نئی علمی جہات کو سامنے لانے میں کامیاب ہوں اور تحقیقی عمل کو آگے بڑھانے میں بہترین نمونہ (Best Model) بن سکیں۔ اس تحریر کے پیچھے ایک اور محرک حضرت ڈاکٹر مسعود احمد دامت برکاتہم العالیہ کی وہ سوچ اور فکر بھی ہے جس کے مطابق: ''اعلیٰ حضرت پر کام کے سلسلے میں جب تک کام کرنے والوں کی مدد نہ کی جائے، کام آگے نہیں بڑھے گا''۔ تحقیق کے میدان میں قدم رکھنے والے نئے اسکالرز اور علمی مجلات کے لیے تحقیقی مقالہ جات لکھنے والوں کے لیے یہ تحریر بہت ممد و معاون ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تحقیقی مقالات کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً یونیورسٹی کی سطح پر ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات؛ کسی تحقیقی اور علمی مجلّہ میں برائے اشاعت لکھے گئے مقالات؛ کسی سیمی نار یا کانفرنس میں پڑھے کے لیے لکھے گئے مقالات وغیرہ۔ ان میں سے ہر قسم کے مقالے کی تیاری (Preparation)، تشکیل (Formation) اور تکمیل (Perfection) کے کچھ بنیادی اُصول وضوابط ہیں۔ اگر ان اُصول وضوابط کا لحاظ نہ کیا جائے، اُن کی اہمیت کو نہ پہچانا جائے یا غفلت برتی جائے تو مقالہ نگار کو اپنے مقاصد میں کامیابی

تو ہوتی ہی نہیں یا بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وقت اور پیسے کا زیاں ہوتا ہے اور بعض اوقات ساری محنت کے رائیگاں جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر چہ درج ذیل اُمور کسی بھی علمی مجلّہ کے قلم کاروں کے لیے بھی بہت مفید ہیں لیکن یہ بنیادی طور پر تھیس کے خاکہ (Synopsis; Outline) کی تیاری یا تھیس شروع کرنے والوں کے لیے ہیں۔

تحقیقی مقالات کا مزاج و انداز:

عام تحریروں کے مقابلے میں تحقیقی مقالات کا مزاج بالکل الگ ہوتا ہے، محقق کو معتدل اور غیر جانب دار رہنا پڑتا ہے، وہ ایک عادل اور منصف ہوتا ہے، اسے پورا پورا انصاف کرنا پڑتا ہے' خواہ دل نہ چاہے۔ اس لیے عقیدت و محبت ظاہر نہ کریں' نام میں بھی القاب و آداب اور دعائیہ کلمات شامل نہ کریں۔ کوئی خامی نظر آئے برملا بیان کریں۔ مخالف و موافق سب کے لیے ایک زبان استعمال کریں، ان کے نام ایک ہی انداز سے لکھے جائیں تاکہ جانب داری کے الزام سے محفوظ رہیں۔

تحقیقی مقالات کا ہدف:

تحقیقی مقالات کے ذریعے ایک نئی علمی حقیقت سامنے لائی جاتی ہے اس لیے اس میں جو بات ہو دلیل کے ساتھ ہو۔ اگر مخالف کا ذکر کرنا ہو تو مؤرخانہ انداز سے کیا جائے۔ تحریر میں جذباتیت سے زیادہ معقولیت و معنویت ہونی چاہیے۔ محبوب شخصیت میں بھی کوئی خامی نظر آئے اس کو نہ چھپائیں۔ صرف ایسی تحریر پڑھنے والے کو سوچنے پر مجبور کر سکتی ہے اور رفتہ رفتہ اس میں فکری انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ جو تبلیغ و ارشاد کا مقصود ہے۔

اسلوب بیان اور اندازِ نگارش:

مقالے کا اندازِ نگارش نہ تو جانب دارانہ ہو اور نہ ہی جذباتی بلکہ سنجیدہ اور عادلانہ موعظت و حکمت سے بھرپور ہونا چاہیے۔ اس دور کے تقاضے یہی ہیں اور قرآن حکیم کا حکم بھی یہی ہے۔ کہیں بھی کسی سے عقیدت یا نفرت کا اظہار نہ ہو۔ مخالف پر طعن و طنز نہ کریں۔ ہر قسم کے مذہبی' مسلکی' علاقائی' ذاتی تعصبات سے بالاتر رہیں۔ ورنہ مقالے کی علمی حیثیت مجروح ہو جاتی ہے اور مخالف کے لیے اس کی اِفادیت ختم ہو جاتی ہے۔ آپ صرف حقائق بیان کریں اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ کسی بھی عقیدے اور مسلک کے ممتحنین مقالہ جانچ سکتے ہیں۔ اہل سنت اِسکالرز کا جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہوتا ہے جس سے بعد میں بہت پریشانیاں ہوتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے متعلقہ تحقیقی مقالات میں لفظ ''امام'' استعمال نہ کرنا مناسب ہے کیونکہ ممتحنین میں معاندین اور ہر مسلک کے اُستاد ہوتے ہیں۔

مکر و فریب کے حربوں کا جواب:

اگر مقالہ مختصر ہے اور کسی مجلّہ میں اشاعت کے لیے لکھنا ہے تو چند باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ مثلاً کسی مخالف نے اگر مکر و فریب کے حربے استعمال کیے ہوں تو اس کے جواب میں مناسب یہ ہے کہ جن خطوط پر منفی انداز میں وہ کتاب لکھی گئی ہو انہیں خطوط پر مثبت انداز میں کتاب یا مقالہ ہو۔ اس طرح مخالف کی کتاب کی تشہیر نہ ہوگی اور قاری پڑھتے وقت اس کی ضرورت محسوس نہ کرے گا۔ چند مثالیں پیش کر کے اس کی خیانت اور ناقص معلومات کو اُجاگر کیا جائے اور پھر پوری کتاب پر اس کی تعمیم کردی جائے۔ اس سے اس کے افکار و اعمال آشکار ہو جائیں گے اور معاصرین میں اس کا مقام بھی واضح ہو جائے گا۔ طرز تحریر محققانہ ہو، اس میں کسی پر طعن ہو نہ طنز کیونکہ مقصد مخالف کے دل میں بات کا اُتارنا ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہوگا جب تک طرز بیان دل نشین اور ہمدردانہ نہ ہو۔ جس طرح میدانِ جنگ میں ضبط و تحمل کی ضرورت ہے اسی طرح قلمی جہاد میں بھی بڑے تحمل کی ضرورت ہے۔ ویسے بھی آج ردّ لکھنے کا وقت نہیں، کام کرنے کا وقت ہے۔ دشمن ہمیں اُلجھاتا ہے اور ہم غیر شعوری طور پر اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔

جمعِ مواد کا مرحلہ:

مقالہ کے لیے سب سے اہم مرحلہ مواد جمع کرنا، پھر اس کو سمیٹنا ہے۔ گھر بیٹھے مواد جمع کر لینا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ اس کے لیے مختلف لائبریریوں سے مطلوبہ مواد کے نوٹس یا فوٹو کاپیاں جمع کرنا پڑتی ہیں۔ تبلیغ اور تحقیق، شیخ و مرشد بن کر نہیں کی جاسکتی، اس کے لیے خانہ بدوش بننا پڑتا ہے اور جذبات و اوقات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ کسی شخصیت پر مقالہ قلم بند کرنے کے لیے اس کے معاصر اخبار و جرائد میں کافی مواد مل جاتا ہے۔ بعض فضلا اپنی تحقیق مکمل ہو جانے کے بعد اپنا جمع شدہ مواد لائبریریوں میں جمع کروا دیتے ہیں تاکہ مستقبل میں کام کرنے والے استفادہ کر سکیں۔ اس لیے لائبریرین حضرات سے بہترین روابط ہونے چاہئیں۔ جن کتب اور رسائل کا مطالعہ کیا یا مطالعے کے لیے جمع کیا ان کی ایک فہرست مرتب کرنی چاہیے۔ بلا ترتیب مواد مشکلات بھی بڑھاتا ہے اور وقت کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

مستقل مزاجی اور حسنِ ظن کی خوبی:

مواد کی تلاش میں رابطہ مہم شروع کرنا پڑتی ہے، کئی لوگوں کو خطوط بھی لکھنے پڑتے ہیں۔ اُن میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو جوابات نہیں دیتے۔ اس سے تکلیف یقیناً ہوتی ہے لیکن کوشش نہیں چھوڑنی چاہیے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محقق کسی کو خط لکھے اور ڈاک کی خرابی کی وجہ سے وہ کہیں راستے ہی میں رہ جائے اور مکتوب الیہ تک پہنچے ہی نہیں۔ ایسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ مکتوب الیہ نے جواب ارسال کیا یا مواد بھیجا ہو مگر ڈاک والوں نے اسے راستے ہی میں گم یا ضائع کر دیا ہو۔ اس لیے صبر اور حسنِ ظن کا دامن تھامے رہنا چاہیے۔

تلاشِ مواد کی مہم اور بنیادی احتیاط:

کسی فاضل یا محقق سے مواد کے سلسلے میں مدد لینے کے لیے اُسے مقالے کا خاکہ اور رجسٹریشن کی کاپی پیش کر دینا اکثر اوقات بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح جمع شدہ مواد کی فہرست دکھا دینا بھی بعض اوقات ضروری ہوتا ہے تاکہ معاون پہلے سے موجود مواد فراہم کرنے کی زحمت اور اخراجات سے بچ جائے۔

فاضل مترجمین کا علم اور ان سے رابطہ:

بعض اوقات محقق کو متعلقہ علمی مواد کی کاپیاں تو مل جاتی ہیں لیکن وہ کسی اور زبان میں ہوتی ہیں اس کے لیے مترجمین کی مدد درکار ہوتی ہے۔ اس لیے اہل علم اور جید فضلا کے بارے میں معلومات اور ان سے رابطہ ضروری ہوتا ہے۔

دیانت داری و نیک نامی:

ایک محقق کو دیانت داری اور نیک نامی کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اسے کہیں سے مواد مستعار ملا ہے تو استعمال کے فوراً بعد اسے واپس بھیج دینا چاہیے۔ اور جن لوگوں نے کسی نہ کسی طرح تعاون کیا ہو انہیں شکریے کے خطوط لکھنے چاہئیں۔ اگر محقق کے بارے میں علما اور معاونین کے تاثرات منفی ہیں تو بہت نقصان ہوتا ہے۔

صبر و استقامت:

محقق اور مقالہ نگار کو یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ موضوع سے متعلق مواد جمع کرنے یا اس کے مطالعہ کے دوران کوئی نہ کوئی ایسی رکاوٹ آجاتی ہے جس سے کام رک جاتا ہے۔ لہٰذا اسے استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا بھی کرنی چاہیے۔ اسے یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ بعض اوقات اگر کام میں تاخیر ہو جاتی ہے تو یہ تاخیر بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتی بلکہ اگر محقق صاحب استقامت ہے تو اس تاخیر کے دوران اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مقالہ زیادہ فاضلانہ بن جاتا ہے۔ جوئندہ یابندہ۔ لیکن جان بوجھ کر تاخیر کرنا کئی فوائد سے محروم ہونا ہے۔

مواد سے استفادے کا طریقہ:

مواد کے مطالعے کے دوران کتاب کی مطلوبہ عبارت پر پنسل سے نشان لگاتے جائیں، جب مطالعہ کر چکیں تو کاپی سائز کے صفحات پر نوٹس لینا شروع کریں۔ صفحہ کے ایک رخ پر لکھیں۔ اقتباس لکھتے وقت دونوں طرف زیادہ حاشیہ رکھیں تاکہ وہ ممتاز ہو جائے۔ لکھتے وقت یہ خیال رکھیں کہ ہر صفحہ پر وہی مواد آئے جو کسی خاص باب کے لیے مطلوب ہے۔ ہر باب کی الگ فائل بنائیں اور اوپر باب کا نمبر اور عنوان لکھ

دیں۔ پھر اُن صفحات کو متعلقہ باب کی فائل میں ڈالتے جائیں۔ ایک فائل مآخذ و مراجع کے لیے مخصوص کر دیں۔ جس باب کے لیے مواد ملے وہ متعلقہ فائل میں رکھتے جائیں اور مفصل حوالہ مآخذ کی فائل میں لکھتے جائیں۔

تشکیل ابواب کا طریقہ:

جمع مواد کے بعد سب سے اہم مرحلہ اسے مرتب کرنا ہے۔ مقالہ نگینوں کی پڑیا معلوم نہ ہو بلکہ دلکش و دل آویز زیور معلوم ہو۔ جب مطالعہ اور ممکنہ مآخذ سے استفادہ کا مرحلہ ختم ہوجائے تو پھر ہر باب سے متعلق فائل اٹھا کر اندرونی خاکہ بنائیں اور اس کے مطابق باب مرتب کریں۔ فائل کو قابو میں کرنے کے لیے مختلف کتابوں سے لیے گئے مواد کی دہنی طرف ذیلی عنوانات لکھتے جائیں اور پوری فائل کے صفحات پر نمبر شمار ڈالیں۔ پھر وہ عنوانات مع صفحات غیر مرتب لکھ لیں۔ اس کے بعد ان عنوانات کو مرتب کریں' خاکہ تیار ہوگیا۔ پھر خاکہ کے مطابق تسوید کریں۔ اب اس باب کو لکھنا شروع کریں۔ اس طرح پہلا مسودہ تیار ہوجائے گا۔ پھر کانٹ چھانٹ کر کے مبیضہ تیار کریں، اس طرح تمام ابواب تیار کریں۔ مقالے کے ابواب کو متوازن رکھیں۔ البتہ بنیادی باب طویل ہوجائے تو حرج نہیں۔ ہر قول کا مفصل حوالہ حاشیے میں دیں یعنی پہلے مصنف کا نام، پھر تصنیف' مقام طباعت' سنہ طباعت' جلد اور صفحہ۔ یہ ایک تکنیکی کام ہے اور صبر آزما مگر ہمت بلند ہو تو کوئی چیز مشکل نہیں۔ سیاہ روشنائی استعمال کی جائے تو بہتر ہے۔

وہ محققین جنہیں کمپیوٹر استعمال کرنا آتا ہے وہ مذکورہ تمام اُمور کو براہ راست کمپیوٹر پر کریں تو کافی وقت بچا سکیں گے۔ وہ فائلوں کے بجائے کمپیوٹر میں الگ الگ فولڈر میں ہر باب سے متعلق مواد لکھ سکتے ہیں۔ البتہ اس میں یہ احتیاط انتہائی ضروری ہے کہ جمع شدہ اور کمپیوٹر میں کمپوز شدہ مواد کو کسی دوسری جگہ یعنی فلاپی ڈسک، فلیش ڈرائیو، دوسری ہارڈ ڈسک یا سی ڈی میں ساتھ ساتھ محفوظ کرلیا کریں ورنہ بعض اوقات سارے کا سارا مواد آن کی آن میں ضائع ہوجاتا ہے اور نئے سرے سے محنت کرنی پڑتی ہے۔ ذہنی کوفت اور دُکھ کے ساتھ ساتھ محقق کے بیمار ہوجانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

کمپوزنگ کے دوران بھی ساتھ ساتھ Save کرتے جانا چاہیے۔ بعض اوقات بجلی چلے جانے یا کمپیوٹر کی کسی تار کے ہل جانے سے کمپیوٹر آف ہوجاتا ہے اور جتنا لکھا تھا سارا اُڑ جاتا ہے۔ اگر چہ بعض اوقات MS word کمپوز شدہ مواد کو واپس لا دیتا ہے مگر بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے احتیاط بہت ضروری ہوتی ہے۔ اگر کمپوزنگ Inpage اردو پروگرام میں کی تھی تو ذہن نشین رہے کہ یہ پروگرام MS word کی طرح ضائع شدہ کمپوزنگ کو واپس لانے میں مدد نہیں کرتا۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس کے Application Preferences میں Autosave آپشن میں ایک منٹ یا دو منٹ کو لکھ دینا چاہیے تاکہ ساری کمپوزنگ از خود محفوظ ہوتی جائے۔ اور اگر پاور آف کی وجہ سے کمپوزنگ ضائع ہو تو کم سے کم ضائع ہو۔

مقدمہ:

ہر تحقیقی مقالہ کے ابواب کے شروع میں ایک مقدمہ بھی لکھا جاتا ہے جس میں موضوع کی اہمیت، سببِ اختیار، مقالہ کا تعارف، بحث و تحقیق کا طریقہ وغیرہ ذکر کیے جاتے ہیں۔ کسی شخصیت پر مقالہ کے مقدمہ میں اس کے تاریخی، سیاسی، مذہبی، علمی و ادبی پس منظر پر ضرور روشنی ڈالنی چاہیے بلکہ اس کے لیے مستقل ایک باب بھی باندھا جاسکتا ہے۔

اختصار و جامعیت:

مختلف ابواب کو لکھنے کے دوران اختصار اور جامعیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور تکرار سے احتراز کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اپنے نقطۂ نظر کے حق میں حقایق و شواہد پیش کرنا چاہیے۔ غیر ضروری تفصیلات سے اعراض کریں۔ اگر دورانِ تحقیق دوسرے تحقیق طلب موضوعات سامنے آئیں تو ان کی نشاندہی کرنی چاہیے۔ اس سے نئے محققین اور اسکالرز کو انتخاب موضوع میں کافی مدد ملتی ہے۔ مرحوم شخصیات کی سنین وفات (ہجری و عیسوی) ضرور تحریر کریں۔

اصل اور ثانوی درجے کے مآخذ:

ثانوی مآخذ سے جہاں تک ممکن ہو استفادہ نہ کیا جائے۔ اصل مآخذ سے استفادہ کریں یعنی مصنف کی تصانیف، اُن کے خُلفا و تلامذہ کی تصانیف۔ معاصر رسائل و اخبارات وغیرہ ثانوی مآخذ سے حتی الوسع گریز کریں۔ اکثر ثانوی درجے کی کتابوں، رسالوں اور مجلّات میں بالعموم غلطیاں ہوتی ہیں۔ اس لیے اصل سے نقل کرنا مناسب ہوتا ہے۔ بعض تصنیفات حقیقی مصنف کی بجائے کسی غیر کے نام پر شائع کی جاتی ہیں۔ محقق کو اس دھوکہ میں آنے سے محتاط رہنا چاہیے اور اصل مسودات کی طرف رجوع کرنا چاہیے یا کم از کم مصنف کے عہد کی مطبوعہ کاپیوں کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

تحریفات اور خیانتیں:

بعض ناشرین مخالف مکتبہ فکر کی کتابوں میں تحریفات کر کے شائع کر دیتے ہیں۔ ایک محقق کو ایسی خیانتوں سے آگاہ رہنا چاہیے۔ اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو حوالہ نقل کیا ہے اُسے اُس کتاب کے کسی دوسری جگہ کے طبع میں بھی دیکھ لینا چاہیے۔ کسی بھی غیر مسلم مصنف کے نظریات کو من وعن تسلیم نہیں کرلینا چاہیے بلکہ انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھ لینا چاہیے۔

یکسوئی اور گوشہ نشینی:

تحقیقی اور ادبی کاموں کے لیے یکسوئی بہت ضروری ہے۔ اس لیے تحقیق کے دوران ایسے کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے ذہن کسی اُلجھن کا شکار ہوتا ہے۔ علمی کام گوشہ میں بیٹھ کر ہی کیا جاسکتا ہے

اور ایسے کام کے لیے بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

تخریج حوالہ کی اہمیت:

مقالے میں تخریج کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ کام بڑی محنت اور دیدہ ریزی کا متقاضی ہے۔ ایک حوالہ نکالنے میں جتنی محنت کرنا پڑتی ہے قاری کو اس کا اندازہ نہیں۔ محنت کرنے والا ہی جانتا ہے۔ اس میں جو محنت کی جاتی ہے وہ قابلِ تحسین ہے اور محقق کو لوگ داد اور دعاؤں سے نوازتے ہیں۔ اس سے مقالہ کی قیمت اور وزن میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے اور محقق کی دقت نظر کا ثبوت ملتا ہے۔ دوسروں کے لیے یہ کام کئی حوالوں سے بہت معاون ثابت ہوتا ہے۔

حوالہ لکھنے کا طریقہ:

مقالہ میں حوالہ اور مآخذ و مراجع درج کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک فائل مآخذ و مراجع کی الگ بنائیں، جو کتاب مطالعہ کریں اس کی پوری تفصیلات لکھ کر اس فائل میں ڈال دیں یعنی مصنف کا نام، تصنیف، مقامِ طباعت، سنہ طباعت، صفحات، ایڈیشن، ناشر وغیرہ۔ کتب و رسائل اور اخبارات کے پورے حوالے دیں۔ اگر مخففات استعمال کرنا چاہیں تو کوئی حرج نہیں۔ ہر باب کے آخر میں اس کے حوالے درج کر دیں یا ہر صفحہ کے نیچے حاشیہ میں یا جس طرح صدر شعبہ کہیں۔ یونی ورسٹی میں جو انداز پسندیدہ ہو وہی اختیار کریں۔ جس مقالے کے آخر میں کتابیات شامل ہو اس میں مختصر حوالہ کافی ہے یعنی مصنف، تصنیف اور صفحہ۔ اُسی مصنف کی وہی کتاب آرہی ہے تو صرف تصنیف و صفحہ و جلد لکھیں۔

حوالہ میں عموماً سب سے پہلے مصنف، مؤلف، مرتب، ایڈیٹرز یا مدیران کے نام لکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے جن ناموں کے ساتھ القابات ہوں انہیں لکھنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ مولانا' سید' مفتی' ڈاکٹر وغیرہ اصل نام کے بعد کاما (Comma) لگا کر لکھیں مثلاً

(۱) غلام مصطفیٰ خاں' پروفیسر ڈاکٹر

(۲) ریاست علی قادری' سید

(۳) رحمان علی' مولانا

(۴) محمود احمد رضوی' مفتی

مقالے میں سوانحی خاکوں کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ آج کل کتابوں میں مصنف کے احوال شامل کیے جاتے ہیں۔ اس سے مستقبل کے محققین کو خاص فائدہ ہوتا ہے۔

ٹرانسلٹریشن (Transliteration) کے اصول وضوابط:

ترجمہ یا مقالہ انگریزی زبان میں لکھنا ہو تو اس میں عربی نام اور خاص اصطلاحات کو لکھنے کے لیے

خاص بین الاقوامی اُصول وضوابط ہیں۔ انگریزی کتاب میں ''ع'' ظاہر کی جائے تو الٹا کاما (') لگاتے ہیں اور جب ہمزہ (ء) ظاہر کیا جائے تو سیدھا کاما (') لگاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حرف ث کے لیے (th)، خ کے لیے (kh)، ذ کے لیے (dh)، ش کے لیے (sh)، ص کے لیے (s)، ض کے لیے (d یا z)، ظ کے لیے (z) کو اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ مستشرقین کا متعین کردہ ہے۔ اگر اس کے خلاف لکھا گیا تو ان کے لیے عربی الفاظ یا عبارات کا سمجھنا ناممکن ہوگا۔

اعلیٰ حضرت کے نام کے لفظ ''رضا'' کے متعلق یہ ہے کہ یہ انگریزی میں دیسی قارئین کے ''رضا'' Raza ہی لکھا جاتا ہے۔ البتہ ولایتی قارئین کے لیے ''رضا'' Rida لکھا جاتا ہے۔ محترم ڈاکٹر مسعود احمد زید مجدہٗ نے امام احمد رضا پر اپنے انگریزی مقالے میں یہی ہجا اختیار کی ہے۔

مآخذ ومراجع اور فہارس:

مقالہ یا تھیس کے آخر میں مآخذ ومراجع اور فہارس کو شامل کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے درج باتوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

۱۔ عربی، فارسی، اردو کتابوں کو الگ الگ مرتب کریں اور رسائل واخبارات الگ۔

۲۔ تصانیف حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیں، مسلسل نقل فرمائیں اور تصانیف جس حرف سے متعلق ہوں وہ بطور عنوان جلی قلم سے لکھیں۔ بعض لوگ حرف کا عنوان قائم نہیں کرتے ہیں لیکن تمام مراجع ومصادر حروف تہجی کے اعتبار سے لکھے جاتے ہیں۔

۳۔ موضوع سے متعلق مصنف کی کوئی نادر تحریر نظر آئے تو اس کا عکس ضرور شامل کریں۔ اس سے مقالے کا وقار بلند ہوجائے گا۔

۴۔ اشاریہ آیات، اشاریہ احادیث، اشاریہ بلاد، اشاریہ رُجال، اشاریۂ اماکن، فہرس مکاتیب باعتبار تاریخ وسنین

۵۔ فہرس مکاتیب باعتبار رجال (مکتوب الیھم)،

۶۔ مآخذ ومراجع/ کتابیات۔ اگر مآخذ ومراجع میں سے کوئی حوالے حذف کیے ہوں تو وہاں خلا نہیں رہنے دینا چاہیے۔

کمپوزنگ اور تصحیح اغلاط کا مرحلہ:

بعض کاتب تحقیقی مقالات کی کمپوزنگ کے عادی نہیں ہوتے۔ ان کی عدم تجربہ کاری کے باعث فاحش غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ ان میں سے بعض ساری بحث کا مفہوم بدل دیتی ہیں۔ مقالے کو ان سے پاک ہونا چاہیے۔ کبھی کبھی تو صرف ایک نقطے کا اضافہ مفہوم بدل دیتا ہے۔ مثلاً اگر اصل میں 'نہیں' تھا مگر اسے 'ہیں' لکھ دیا تو جس چیز کی نفی کی تھی اسی کا اِثبات ہوگیا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کاتب نے ایک بار تصحیح کردی

تو طباعت سے پہلے دوبارہ خود اچھی طرح چیک کرنا چاہیے۔ مطبوعات میں اکثر غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ متون (Text) کی صحت کتاب کی خوبصورتی سے زیادہ اہم ہے، یہ بات عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

آخری اہم بات:

جس نے وقت کی قدر کی، وقت نے اس کی قدر کی۔ جس نے وقت کو ضائع کیا، وقت نے اس کو ضائع کیا۔ اہل سنت سے متعلق تحقیقی مقالہ نگاروں کو اس وقت انگریزی اور عربی لٹریچر کی زیادہ ضرورت ہے۔

نوٹ: جیسا کہ شروع میں ذکر کردیا گیا ہے یہ مضمون بنیادی طور پر مکتوباتِ مسعودی سے ماخوذ ہے حتی کہ اس کے اکثر جملے اور پیراگراف بھی وہیں سے لیے گئے ہیں۔ راقم کا حصہ صرف جمع و ترتیب ہے۔ ربط کے لیے کہیں کہیں باتیں راقم کی ضرور اس میں ہیں۔

Z Z Z X X X X Z Z Z

احمد رضائے آلِ رسول اب امام ہے

(از: غلام مصطفیٰ رمزی قادری، نزد جنت مسجد، حبیب نگر، بیجاپور۔ ۵۸۶۱۰۲)

احمد رضائے آلِ رسول اب امام ہے
ہر سمت سنیوں کا اسے یوں سلام ہے

سیفِ خدا کی دھار کو احمد رضا کہو
قہرِ خدا کی مار کو احمد رضا کہو

یادِ حسین ذکر و ثنائے رضا میں ہے
قرآن سے وفا بھی وفائے رضا میں ہے

دارالسلام جاؤ بریلی سے ہو کے سب
گھر تیرا ہو عجم میں کہ رہتے ہو تم عرب

انوارِ مصطفیٰ کی تجلی رضا کا نور
عالم میں ہوگیا ہے بریلی کا اب ظہور

حضرت رضا ہیں نقطہ پرکار حق سنو
بے شک وہ ذات پاک ہے شہکار حق سنو

قدرت خدا کی دیکھیے شکل رضا میں آج
حق کو تلاش کیجیے فکر رضا میں آج

برکت ہے مصطفیٰ کی بریلی میں جلوہ گر
ہر زاویہ بریلی کا حق جو ہے حق نگر

دامن سے جو رضا کے جدا ہوگیا وہ آج
محرومِ راہِ اہل سنن ہوگیا وہ آج

اعلانِ حق یہ مکہ مدینہ کا سن ذرا
احمد رضائے احمد مرسل ہے حق نما

یوں تو بڑے بہت ہیں سبھی اپنے پیشوا
زینت ہے آسمان کی اب کس کا نقشِ پا

وحدانیت کی۔ ے ہے بریلی کے جامِ میں
مارہرہ نور بار بریلی کے نامِ میں

نادم کھڑا ہے فضلِ رسول آج قادری
آیا ہے در پہ فضلِ رسول آج قادری

یا رب ہو سرمہ خاکِ کفِ پائے بوالحسین
چمکے کبھی نظر میں سراپائے بوالحسین

اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا، رضی اللہ عنہ کہنے پر مخالفین کے شبہات کا جواب

بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب

[یہ تحریر کوئی مستقل مضمون نہیں ہے بلکہ کانپور سے آئے ہوئے ایک سوال کا جواب ہے۔
سوال یہ تھا کہ مولانا احمد رضا خاں کے نام کے ساتھ امام، اعلیٰ حضرت اور رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے اس کا لکھنا کہاں تک درست ہے؟ جبکہ لفظ امام عموماً چاروں امام کے لیے لکھا جاتا ہے۔ تمام بزرگان دین یہاں تک کہ صحابہ کرام کے نام کے ساتھ "حضرت" کا استعمال ہوتا ہے "رضی اللہ عنہ" صحابہ کے نام کے علاوہ اور کسی کے نام کے ساتھ پڑھنے کو نہیں ملتا ہے۔
حضرت بحر العلوم صاحب قبلہ نے اس کا اس طرح تحقیقی جواب دیا کہ سائل کے ذہن میں پیدا ہونے والے اعتراضات دور ہو گئے۔ ملاحظہ فرمائیں]

............محمد اصغر علی مصباحی منانی، دار العلوم رحمانیہ تیغیہ نگرہ چھپرہ

تعصب اور جہالت آدمی کو اندھا کر دیتی ہے۔ مسلمانوں میں حکومتوں کے سربراہوں کو امام کہتے ہیں۔ اسی طرح مسجد میں مسلمانوں کو نماز پڑھانے والوں کو بھی امام کہتے ہیں۔ تنویر الابصار میں ہے **الامامة هی صغریٰ و کبریٰ فالکبریٰ الستحقاق تصرف عام علی الانام و شرطه کونه مسلماحی اذکرا عاقلا بالغا قادرا قریشا و الصغریٰ ارتباط صلاة الموتم بالامام بشروط (ملخصا)** امامت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ و کبریٰ، امامتِ کبریٰ اس کے لیے جو مخلوق پر تصرف عام کا حق رکھے۔ اس کی شرط امام کا مسلمان، آزاد، مذکر، عاقل، بالغ اور قریشی ہونا ہے اور امامتِ صغریٰ کے معنی مصلیوں کی نماز کا امام کی نماز سے تعلق قائم کرنا اور اس امام کے لیے متعدد شرائط ہیں۔ اسی طرح اہلِ بیت اطہار کے بارہ بزرگوں کو امام کہا جاتا ہے جس میں سب سے پہلے حضرت علی ہیں اور بارہویں امام مہدی ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔
خلاصہ تحفہ اثناء عشریہ عربی صفحہ ۱۹۳ میں ہے: **"وایضا ان ائمة المتاخرین کالسجاد والباقر والصادق والکاظم والرضاء رضی الله تعالیٰ عنهم کانوا قدوة لاهل السنة واسوة لهم"**
اہل بیت کے بعد والے امام جیسے امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم اور امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل سنت کے بھی پیشوا اور ان کے لیے نمونۂ عمل تھے۔ دیکھیے کس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور محمد شکری آلوسی نے ائمہ اہلِ بیت کو امام گردانا اور ان کو اہل سنت و جماعت کا قدوہ اور قائد مانا اور ان کے لیے رضی اللہ عنہم کا استعمال کیا۔ یہ حضرات بھی تو مشہور چار ائمہ مجتہدین کے علاوہ ہی ہیں۔ اس لیے اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ صرف ان چاروں کو ہی امام کہنا چاہیے تو یہ آپ کا خیالِ خام ہے۔ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ سے بارہ اماموں کے بارے میں سوال

ہوا۔ آپ فرماتے ہیں امامت سے مراد اگر مقتدی فی الدین ہونے کے لیے ہے تو بلاشبہ ان کے غلام اور غلاموں کے غلام مقتدی فی الدین ہیں۔ اگر اصطلاح مقاماتِ ولایت مقصود ہے کہ ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں عبدالملک اور عبدالرب جن کو امامین کہتے ہیں۔ تو بلاشبہ یہ سب حضرات خود غوث ہوئے اور امامت بمعنی خلافت عامہ مراد ہے وہ ان میں صرف امیر المؤمنین مولیٰ علی وسیدنا امام حسن مجتبیٰ کو ملی اور اب سیدنا امام مہدی کو ملے گی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، باقی جو منصب امامت ولایت سے بڑھ کر ہے وہ خاصہ انبیاء علیہم السلام ہے وہ امامت کسی غیر نبی کے لیے نہیں مانی جاسکتی اسی کو فرمایا انی جاعلک للناس اماما اور اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم غیر نبی کی امامت اولی الامر منکم تک ہے جسے فرمایا وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا (فتاویٰ رضویہ نہم صفحہ ۱۲۱) اس اقتباس سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(الف) قرآن عظیم میں انبیا پر لفظ امام کا اطلاق ہوا اس معنی میں کسی غیر نبی کو امام نہیں کہا جاسکتا۔

(ب) صوفیاے کرام کے نزدیک غوث کے وزیروں کو امام کہتے ہیں۔ یہ بھی تصوف کے ایک خاص عہدے اور مقام کا نام ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔

(ج) قرآن عظیم میں ان دونوں طبقوں کے علاوہ پر بھی لفظ امام کا اطلاق ہوا ہے جن کا ذکر سورۃ روم کی آیت مبارکہ میں ہے اور اس سے مراد اولی الامر ہوتے ہیں اولی الامر بادشاہِ اسلام کو کہتے ہیں جس کے لیے ہم تنویر الابصار سے امامتِ کبریٰ کی اصطلاح نقل کر چکے ہیں۔

(د) اور اس زمرہ میں علما اعلام و مقتدیانِ اہل اسلام امام کہے جاتے ہیں جن کی فہرست بہت طویل ہے۔ ائمہ اربعہ کو تو آپ نے خود ہی ذکر کیا ہے مولوی مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے صرف علماے احناف رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذکر میں ایک کتاب ''فوائد بہیہ'' تحریر فرمائی ہے۔ اس کتاب کے صرف ڈیڑھ سو صفحات کے سرسری مطالعہ سے ظاہر ہے کہ سوا تین سو علماے کرام میں ۱۰۵ علماے کرام کو امام کے لفظ سے خطاب کیا گیا ہے اور ناشرین کتب نے خود مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کو امام کے خطاب سے ذکر کیا ہے۔ اس طرح علماے شوافع، حنابلہ اور مالکیہ سب میں دیکھا جائے اور صرف طبقۂ فقہا سے تلاش کیا جائے تو ہزار ہا علماے کرام کا ذکر ملے گا جن کو دنیا امام و قدوہ کے القاب سے یاد کرتی ہے۔ اب یوں ہی محدثین میں اصحاب صحاح ستہ اور ان کے علاوہ ہزاروں حضرات امام کے نام سے یاد کیے گئے ہیں۔ یوں ہی ائمہ تفسیر میں، ائمہ تصوف میں۔ حد ہوگئی مولوی عبدالشکور کاکوروی کے اولاد احفاد اور ان کے معتقدین ان کو امامِ اہل سنت لکھتے چھاپتے اور شائع کرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحلیم فاروقی اور عبدالحیؒ فاروقی نے اپنی ۱۳ صفحہ کی تحریر میں ان کو ۱۴ بار امامِ اہل سنت لکھا جن کے بارے میں جوش ملیح آبادی نے اپنی سوانح حیات صفحہ ۷۹ پر لکھا ہے۔

''حکومت نے ایک طرف تو دہلی کے شیعہ مولوی مقبول احمد کو تبرّا بازی اور دوسری طرف لکھنؤ کے ایک سُنّی مولوی عبدالشکور کو جھنڈا بازی پر مقرر کیا تھا۔ وہ شیعوں کو برابر اُکساتے اور یہ سُنیوں کو جھنڈا پر ابھارتے اور اس غداری کے صلے میں دونوں گھر بیٹھے وظیفہ کھاتے۔''

مولوی قاسم نانوتوی صاحب کو مناظر حسن گیلانی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں بار بار سیدنا امام الکبیر کے لقب سے یاد کیا۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب کا صفحہ ۱۳۵: ''بہر حال یہ اور اسی قسم دوسرے قرائن وشواہد کی روشنی میں سیدنا الامام الکبر قدس سرہ کی ناسوتی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے وہ سب کچھ ہو چکے تھے جن کا تفصیلی معائنہ اس زندگی کی مختلف منزلوں میں اس دنیا کو کرایا گیا۔''

ان قاسم العلوم صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ہونے کا انکار کیا اور اس کو عوام کا خیال بتایا اور پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا دل دکھایا۔ مسٹر ابوالکلام آزاد صاحب غبار خاطر کو عرصہ تک امام المسلمین لکھا اور کہا جاتا رہا لیکن ہمارے انصاری صاحب کو کوئی اچنبھا نہیں اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو امام احمد رضا کہتے ہوئے سن لیا تو آپ کے کان کھڑے ہوگئے اور مسئلہ پوچھنے کی ضرورت آپڑی کہ ایسا لکھنا کہاں تک درست ہے۔ سچ کہا حضرت شیخ سعدی نے ع

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است ☆ گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

اعلیٰ حضرت یہ کلمہ دو لفظوں سے بنا ہے، ''اعلیٰ'' اور ''حضرت''۔ اعلیٰ کا مادّہ علو جس کے معنیٰ بلند ہونا۔ اس سے اسم تفصیل اعلیٰ بنا جس کا معنی دوسروں کے اعتبار سے بلند ہونے والا۔ یہ لفظ اردو زبان میں مندرجہ ذیل معنیٰ میں استعمال ہوا۔ اعلیٰ: عربی اسم مذکر۔ بہت بلند، بڑا، اونچا، بلند مرتبہ فرہنگ آصفیہ جلد اوّل صفحہ ۱۱۸۷ اور یہی لفظ جب حاکم کے ساتھ ملتا ہے تو حاکمِ اعلیٰ معنی فرماں روا، بادشاہ، راجا ہوتے ہیں اور لفظ حضرت بھی عربی الاصل ہے جس کے اصل معنی حاضر ہونا، نزدیکی اور درگاہ کے ہیں اور دوسرے معنی حضور، جناب اور قبلہ ہیں۔ کتاب مذکور صفحہ ۱۲۶۔ یہ ایک تعظیم وعزت کا لقب ہے جو بادشاہوں اور بزرگوں کی نسبت بولا جاتا ہے (کتاب مذکور) تو اس لفظ کے ترکیبی معنیٰ ہوئے بلند مرتبہ بزرگ یا بادشاہ اور اردو میں دونوں لفظوں کا مجموعہ اسم لقب ہوا جو اہلِ زبان کے نزدیک بزرگوں اور بادشاہوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ منجد میں لفظ حضرت کے سلسلہ میں ہے **یطلق الحضرة عند اهل التوسل علی کل کبیر یحضر عن الناس لقولهم الحضرة العالیه تامر بکذا** (المنجد ص ۱۳۹۔) مصباح اللغات میں اس کا ترجمہ یوں ہے۔ حضرت کا اطلاق ہر ایسے بڑے آدمی پر ہوتا ہے۔ جس کے پاس لوگ حاضر ہوتے ہیں جیسے **الحضرة العالیه تامر بکذا** جنابِ عالی فلاں کا حکم دیتے ہیں۔ اس مثال سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ لفظ حضرت کے ساتھ لفظ اعلیٰ کے استعمال کا رواج خود عربی زبان میں بھی ہے اس لیے مترجم صاحب نے اس کا ترجمہ

جنابِ عالی کیا لیکن اردو میں اس کی کوئی پابندی نہیں۔ اس لیے عام طور سے لوگ جنابِ عالی اور عالی جناب دونوں ہی بولتے اور لکھتے ہیں۔ اب آپ فرہنگ آصفیہ سے عالی جناب کا معنی سنیے۔ عالی جناب: صفت۔ بلند، درگاہ والا، اعلیٰ حضرت (حوالہ مذکورہ بالا) چنانچہ خود صاحب فرہنگ آصفیہ نے میر عثمان علی خان نواب حیدر آباد کو اپنی کتاب کے مقدمے میں متعدد جگہ اعلیٰ حضرت کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ملاحظہ کیا جلد اوّل کا صفحہ ۱۲، ۱۵، ۱۷، تو معلوم ہوا کہ از روے لغت اردو زبان میں عالی جناب اور اعلیٰ حضرت کے معنی ایک ہی ہیں اور لسانی حیثیت سے اس کا استعمال بادشاہوں اور بزرگوں کے لیے ہوتا ہے۔ مذہبی لوگوں نے دیکھا اس کے معنی میں شرعاً کوئی خرابی نہیں۔ آخر عالی جناب تو عام طور سے بولا ہی جاتا ہے اور لفظ اعلیٰ حضرت کے بھی یہی معنی ہیں تو جس طرح بڑوں کو عالی جناب کہہ کر خطاب کرنا یا نام لینا جائز ہے اعلیٰ حضرت کہنا کیوں منع ہوگا اور اس لفظ کو اپنے اپنے بزرگوں کے لیے بھی بولنے لگے۔

چنانچہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگوں نے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو اعلیٰ حضرت کہنا شروع کیا۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید جلد اوّل ص ۴۶، ۴۷ صرف دو صفحوں میں ایک درجن سے زائد مقامات پر ان کو اعلیٰ حضرت لکھا ہے اور اہل سنت و جماعت نے مولانا احمد رضا خاں صاحب اور شیخ المشائخ علی حسین صاحب اشرفی رحمۃ اللہ علیہما کو لکھنا شروع کیا۔ دیوبند کے اگلے مولوی صاحبان اتنا تو جانتے ہی تھے کہ جس کام کو ہم خود کر رہے ہیں اس کے لیے دوسروں پر اعتراض کیا؟ لیکن آج کل فضلاے دیوبند شاید اپنے بزرگوں کی کتابیں بھی نہیں پڑھتے تب ہی تو یہ بے بنیاد اعتراض اٹھاتے ہیں۔

اور رضی اللہ عنہ کا معاملہ اس سے بھی زیادہ واضح ہے فتاویٰ کی مشہور کتاب درمختار (جلد پنجم ص ۴۸) پر ہے: یستحب الترضی للصحابة والترحم للتابعين ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الاخيار وكذا ايجوز عكسه وهو الترحم للصحابة والترضی للتابعين ومن بعدهم على الراجع"

مستحب یہ ہے کہ صحابہ کے لیے رضی اللہ عنہ، تابعین اور ان کے بعد علما و عبادت گزاروں اور نیکوں کے لیے رحمۃ اللہ علیہ بولا جائے اور اس کا الٹا بھی جائز ہے۔ یعنی ترحم صحابہ کے لیے اور رضی اللہ عنہ تابعین اور ان کے بعد والوں کے لیے زیادہ راجح یہی مسئلہ ہے۔ امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شفا جلد دوم ص ۱۴۸ میں فرماتے ہیں: يجب تخصيص النبی صلى الله عليه وسلم والانبياء بالصلا والتسليم ولا يشارك فيه لسوا هم ويذكر يسواهم من الائمه المجتهدين من الصحابة والتابعين وغيرهم من العلماء بالغفران والترضی"

حضور ﷺ اور انبیا کرام کو صلاۃ وسلام کے ساتھ یاد کیا جائے دوسروں کو نہیں اور ان کے علاوہ ائمہ مجتہدین صحابہ و تابعین اور دیگر علما کو غفران اللہ لہ اور رضی اللہ عنہ کہا جائے الغرض! کتب مذہب کی رو سے

یہ بات صاف ہوجانے کے بعد کہ صحابہ کو تو رضی اللہ عنہ کہا ہی جائے گا، ان کے بعد علمائے اسلام، ائمہ کرام وصلحائے امت کو بھی رضی اللہ عنہ کہنا جائز ہے بلکہ صحابہ کو بھی غفر اللہ لہ' رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہا جاسکتا ہے۔
اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ غیر صحابہ کے لیے رضی اللہ عنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے یا نہیں اور اس جائز پر کس کس نے عمل کیا ہے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ علوم دینیہ میں جس فن کی کتاب اٹھالو آپ کو کثرت کے ساتھ غیر صحابہ کے لیے رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ملے گا تجربہ کے لیے ہم نے بخاری شریف اٹھایا تو اس کے ٹائیٹل پیج پر ہی لکھا ہوا ملا ''محمد ابن اسماعیل بخاری امیر المومنین فی الحدیث رضی اللہ عنہ'' امام بخاری کی ولادت ۱۹۴ھ ہے ظاہر ہے کہ یہ تبع تابعی بھی نہیں۔ امام نووی نے شرح مسلم میں امام بخاری ومسلم دونوں حضرات کو رضی اللہ عنہما سے یاد کیا، مشکوۃ شریف میں صاحب مصابیح فراء بغوی کو رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

تلاش پر سیکڑوں علما نے حدیث کے لیے اس کا استعمال شائع و ذائع ملے گا۔ تفسیر میں امام طبری اور امام نسفی دونوں کے لیے رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ملے گا اور ڈھونڈا جائے گا تو ایسے ناموں کی لائن لگ جائے گی۔ ائمہ فقہ میں ائمہ اربعہ و دیگر مجتہدین کے لیے رضی اللہ عنہ کا لفظ در مختار اور دیگر کتب فتاویٰ وغیرہ میں مذکور ہے۔

صوفیائے کرام کے تذکروں میں اس کثرت سے غیر صحابہ بزرگان دین کے لیے رضی اللہ عنہ ملے گا کہ شمار کرنے والا تھک جائے گا۔ حد یہ کہ آج جو لوگ امام اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے لیے اس لفظ پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اپنے بزرگوں کے لیے بڑے شوق سے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ صاحب عقائد علمائے دیوبند صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں۔ ''چونکہ ہمارے مشائخ رضی اللہ عنہم احیائے سنت میں سعی کرتے ہیں اور بدعت کی آگ چھپانے میں مستعد رہتے ہیں اس لیے شیطانی لشکروں کو ان پر غصہ آیا اور خطاب وہابیت کے ساتھ ان کو مہتم کیا۔'' غور فرمائیں یہ رضی اللہ عنہم وہی لوگ ہیں جن کو جمہور اہل اسلام اہل سنت و جماعت وہابی کہتے ہیں تو وہابیوں کو رضی اللہ عنہ کہنا جائز اور امام احمد رضا کو رضی اللہ عنہ کہنا ناجائز۔ کیا یہ سارے وہابی' صحابی تھے۔ انا اللہ وانا الیہ اجعون۔

صاحب تذکرہ الرشید جلد اوّل صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں ''مولانا محمد قاسم نانوتوی و مولانا رشید احمد گنگوہی رضی اللہ عنہما چند روز کے بعد ایسے ہم سبق بنے کہ آخرت میں ساتھ نہ چھوڑا۔'' کیا یہ قصبہ نانوتہ اور گنگوہ کے دو مولوی تیرہویں اور چودھویں صدی کے درمیان تھے۔ صحابی ہی تھے کہ ان کو بھی رضی اللہ عنہ سے نوازا گیا ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ آج کل کے یہ مولوی صاحبان اپنے بزرگوں کی کتابیں بھی نہیں پڑھتے اور خواہ مخواہ اہل حق کے منہ آتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سائل دیوبندی ہے مگر آج کل ایسے بے تکے سوالات آتے رہتے ہیں اور دیوبندیوں کی طرف سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام احمد رضا خاں علمائے ازہر کی نظر میں

بقلم: تاج محمد خان ازہری، مصر

ہندوستان ہمیشہ سے علم وحکمت کا گہوارہ اور اہل علم کا مرکز رہا ہے۔ جب ہم گزشتہ صدیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایسی علمی و ادبی شخصیات نظر آتی ہیں کہ جن کی عظمت و بزرگی کے سامنے کوہ ہمالیہ کی بلندی بھی سرنگوں دکھائی دیتی ہے۔ امام احمد رضا خان ایسی ہی بلند پایہ علمی شخصیات میں سے ایک تھے جن کی عظمت کو عرب وعجم کے ذی علم اور دانشوروں نے خراج تحسین پیش کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے آپ کو علوم وفنون کا وہ خزانہ عطا فرمایا تھا کہ جس کی وجہ سے آپ کی ذات بشکل انسانی چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا تھی۔

چودھویں صدی کے مجدد، محدث عصر، امیر الشعرا، تاج الفقہا فخر العلما امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان ۱۰ ر شوال ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو ہندستان کے ایک قدیم تاریخی شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتداء آپ کا نام محمد رکھا گیا۔ بعدہٗ آپ کے جد امجد حضرت مولانا محمد رضا علی خان نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد رضا رکھا، اور پھر اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی علوم والد بزرگوار حضرت علامہ محمد نقی علی خان قادری علیہ الرحمۃ سے حاصل کیا۔ مزید تحصیل علم مارہرہ مقدسہ اور رام پور سے کیا۔ آپ بچپن سے ذہین وفطین اور عظیم قوت حافظہ کے مالک تھے۔ قلیل عرصہ میں متعدد علوم وفنون میں مہارت حاصل کرلی۔ یہی وجہ تھی کہ چودہ سال کی عمر میں ہی والد ماجد نے فتویٰ نویسی کی ذمہ داری سونپ دی۔ تاحیات آپ نے اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی نبھایا۔ اس کی زندہ وجاوید مثال آپ کا مجموعۂ فتاویٰ "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ" ہے۔

امام احمد رضا خان حد درجہ خلیق تھے، برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہیں دیا۔ آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد ظفر الدین بہاری نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس سب وشتم سے پُر ایک خط آیا، حسب عادت میں نے پڑھ کر اختصار کے ساتھ حضرت کو سنادیا، اچانک یہی خط ایک مرید کے ہاتھ لگ گیا، وہ بلند آواز سے پڑھ کر سنانے لگا، سن کر آپ کبیدہ خاطر ہوئے لیکن ضبط نفس سے کام لیا۔ اور جواب میں کچھ نہیں فرمایا۔ شام کو جب آرام گاہ تشریف لے جانے لگے تو مرید نے مشورہ دیا کہ یہ بات عدالت تک پہنچا دی جائے تاکہ دوسروں کے لیے عبرت ہو، آپ نے فرمایا ذرا ٹھہرو، اور آنے والے خطوط کا ایک بنڈل دیا، فرمایا انھیں پڑھو، یہ خطوط چونکہ حضرت کی تعریف وتوصیف میں تھے، اس لیے پڑھتے ہی مرید کا چہرہ کھل اٹھا، آپ نے فرمایا پہلے ان خطوط کے بھیجنے والوں کو ھدایا اور تحفے ارسال کرو پھر دوسرے کا معاملہ عدالت تک پہونچایا جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ یہ کہنا ہی مناسب ہوگا کہ آپ کا اخلاق حدیث رسول ﷺ "من

أحب لله و أبغض لله، و أعطى الله، ومنع لله فقد استكمل الايمان'' کا حقیقی مصداق تھا۔

عشقِ رسول تو دیوانگی کی حد تک تھا، مدینہ طیبہ کا ذکر آتے ہی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برسنے لگتیں، دیار محبوب کے شوق دید میں دل ہمیشہ مچلتا رہتا، آخر کار محبوب سے بھی محب کی بے چینی دیکھی نہ گئی، بلاوہ آ گیا۔ ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں بار اول والد محترم کی رفاقت میں حرمین شریفین حاضر ہوئے، مناسکِ حج ادا کئے، ایک شام نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک مسجد حرام کے امام شیخ حسین بن صالح جمل اللیل تشریف لائے۔ آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے، جبکہ دونوں حضرات کے مابین پہلے سے کوئی تعارف نہیں تھا۔ گھر پہنچ کر امام حرم نے اپنا ہاتھ آپ کی پیشانی پر رکھا اور فرمایا اس پیشانی میں مجھے اللہ کا نور دکھائی دے رہا ہے، اور پھر اجازت حدیث اور سلسلہ قادریہ کی خلافت عطا فرمائی، نیز اپنی تصنیف "الجوهرة المفيد" کی شرح لکھنے کی پیش کش کی۔ آپ نے دو دن کے مختصر عرصہ میں مکمل کتاب کی شرح لکھ دی، اور اس کا نام "النيرة الوضية في شرح الجوهرة المضية"، رکھا۔ امام حرم شیخ حسین بن صالح جمل اللیل کے علاوہ شیخ احمد زینی دحلان مکی اور شیخ عبدالرحمٰن سراج نے بھی آپ کو اجازتِ حدیث عطا فرمائی۔

۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں اپنے چھوٹے بھائی محمد رضا خان اور بڑے صاحب زادے حضرت مولانا محمد حامد رضا خان رحمہما اللہ کی معیت میں بارِ دیگر فرائضِ حج کی ادائیگی کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ کا یہی وہ سفر تھا جس کے قیام کے دوران آپ نے ''الدولة المكية بالمادة الغيبة'' "كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الراهم'' اور ''حسام الحرمين على منحر الكفر والمين'' جیسی علمی کتابیں بزبان عربی تصنیف فرمائیں۔

قارئین کے علم میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ امام احمد رضا خان کی عبقری شخصیت اب برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش تک ہی محدود نہیں ہے۔ آپ کی شخصیت کے تعلق سے عالمِ عرب میں مخالفین نے جو غلط فہمیاں پھیلا رکھی تھیں ان کا ازالہ بفضلہ تعالیٰ بڑی برق رفتاری سے ہو رہا ہے۔ ذیل میں ہم علمائے ازہر کی تحریروں کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جو کہ انھوں نے آپ کی یکتائے روزگار شخصیت کے بارے میں لکھا ہے۔

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے اہم رکن اور الازہر میگزین کے چیف ایڈیٹر، استاذ الاجیال جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد رجب بیومی صاحب آپ کی عظیم شخصیت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''یوں تو ہندوستانی علماء کی ایک بڑی تعداد عالمِ عرب میں مشہور و معروف ہے، لیکن اس میں محقق وقت امام احمد رضا خان کا نام سرفہرست ہے۔''

الازہر یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کے ہیڈ، آرگنائزیشن رابطہ ادب حدیث کے صدر اور ماہنامہ ''الحضارة'' کے چیف ایڈیٹر جناب پروفیسر عبدالمنعم خفاجی صاحب آپ کی تجر علمی کے بارے میں لکھتے

ہیں: ''امام احمد رضا خان کی ذات بحر علم تھی، ان کا مطالعہ بہت ہی وسیع تھا، میدانِ تصنیف و تالیف میں ان کی مثال شاذ و نادر ہے۔''

ازھر یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر جناب ڈاکٹر محمد سعدی فرھود رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''امام احمد رضا خان ایسے مسلم مجاہد تھے جو کہ عربی زبان سے اس لیے محبت کرتے تھے کہ قرآن و حدیث کی زبان ہے۔ اور امام احمد رضا خان کا شمار ہندوستان کی ان چند اہم شخصیات میں کیا جاتا ہے جنہوں نے برطانوی استعمار کے زمانہ میں عربی زبان و ادب کے احیاء میں اہم کردار ادا کیا ہے۔''

الازھر یونیورسٹی میں شعبۂ اسلامیات کے ایک استاذ جناب پروفیسر رزق مرسی ابو العباس صاحب آپ کی عربی شاعری کے بارے میں رقم طراز ہیں۔ امام احمد رضا خان عربی نہیں تھے، لیکن جب آپ ان کی عربی شاعری پڑھیں گے تو آپ کو خوشگوار حیرت ہوگی کہ ان کے عجمی ہونے کے باوجود ان کی شاعری میں عجمیت کا شائبہ نہیں پایا جاتا، اگر قاری کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ عجمی تھے تو انھیں عربی شاعر گمان کرے گا، جب ہم ان کے عربی دیوان کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معیاری عربی پڑھنے کو ملتی ہے۔ ان کے دل و دماغ نے ان کی شاعری میں مشترکہ کردار ادا کیا ہے۔''

الجامعۃ الازھر میں شعبۂ اردو کے استاذ جناب ڈاکٹر حازم محمد احمد محفوظ صاحب عالمی شہرت کی حامل فاضل بریلوی کی نابغۂ روزگار شخصیت کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں!

''ہمارے علم میں علماء عجم کی کوئی بھی اتنی بلند پایہ اسلامی شخصیت نہیں ہے کہ جس کی علماء عرب کے درمیان اتنی پذیرائی ہو جتنی کہ امام احمد رضا خان کی ہے''

الازھر یونیورسٹی میں شعبۂ حدیث کے استاذ جناب ڈاکٹر مصطفیٰ محمد محمود صاحب آپ کی کتاب ''محمد خاتم النبیین'' پر تقریظ لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''ہندوستان کے لاثانی عالم، فقیہ وقت، محدث عصر امام احمد رضا خان کی تصنیف ''محمد خاتم النبیین'' باصرہ نواز ہوئی مصنف نے اس کتاب کی تالیف میں جن مصادر کی طرف رجوع کیا ہے، اس کی فہرست دیکھ کر مؤلف کے وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً انھوں نے مذکورہ کتاب کی تصنیف میں مندرجہ ذیل مصادر کی جانب رجوع کیا ہے: الشفا بتعریف حقوق المصطفی۔ علامہ قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی''، ''نسیم الریاض۔ علامہ شہاب خفاجی'' ''معاجم طبرانی'' ''دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعۃ۔ امام بیہقی''، ''دلائل النبوۃ ابونعیم آصبہانی''، ''خصائص الکبریٰ۔ جلال الدین سیوطی''، ''تاریخ ابن عساکر''۔ مراجع کی یہ طویل فہرست اگر کسی شئے پر دال ہے تو وہ ہے مصنف کی تراث اسلامی پر عمیق نظر۔

یہ تھے علمائے ازھر کے تاثرات ہمارے امام جلیل کی عبقری شخصیت کے بارے میں جنھیں ہم نے انتہائی اختصار کیساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ OO

قلم اور کلام کی عظمت (کلامِ رضا کی روشنی میں)

محمد رضا عبدالرشید، نوری مشن، مالیگاؤں

قرآن مجید میں ایک سورۃ کا نام سورۃ قلم ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ ن والقلم وما یسطرون. رب کائنات ارشاد فرماتا ہے قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتا ہے۔ یعنی اللہ قلم سے اس سورت کی ابتداء کی ہے اس سے اسلام میں قلم اور اہلِ قلم کی قدر دانی و اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ادب و شاعری کا ذوق و صلاحیت یا قادر الکلام ہونا انسان کے لیے خداوند تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ ارسطو نے انسان کی تعریف ہی حیوانِ ناطق سے کی ہے۔ دنیا کے تمام جانداروں میں انسان کا امتیاز اس کے نطق یعنی تکلم یا کلام ہی کی بدولت ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں قوت گویائی کے سبب انسان پر احسان جتلایا ہے اور انسانوں کی زبانوں کے اختلاف کو خدا کی عظیم نشانی کے طور پر ذکر کیا ہے۔ غرض یہ کلام نہ صرف انسان کے لیے درجۂ امتیاز ہے بلکہ اس کے لیے وجۂ شرف و افتخار بھی ہے۔ انسان کے مقام اور درجہ کو اس کی گفتگو و کلام ہی متعین کرتا ہے۔

مثل مشہور ہے۔ کلام الملک ملک الکلام۔ ''بادشاہ کا کلام، کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کے کلام کو سمجھا یعنی خدا کے کلام کا مرتبہ سمجھا جاسکتا ہے۔ جو فرق خالق و مخلوق کے مابین ہے وہی انسانوں کے کلام اور خالق کے کلام میں ہے۔ قرآن مجید میں فصاحت و بلاغت حُسنِ تعبیر و جمیل اسلوب کا عظیم شاہکار ہے اور معجزہ بھی۔ اسی لیے پوری انسانی دنیا کو چیلنج کیا گیا ہے کہ سب مل کر اس جیسی چھوٹی سی سورت یا آیت تک نہیں لکھ سکتے۔

حضور اکرم، معلم کائنات ﷺ کا ارشادِ پاک ہے۔ انا افصح العرب ۔ میں تمام عربوں میں سب سے زیادہ فصیح اللسان ہوں۔ کائنات کا کوئی فرد بغیر کلام کی خوبیوں اور فصاحت میں آپ کی ہم سری نہیں کرسکتا۔ یہی حال آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کلام و خطبات کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خطبات ''نہج البلاغۃ'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح شاعری میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور خواتین میں حضرت خنساء کا کلام بے مثل مانا گیا ہے۔ دربارِ رسالت کے شاعر حضرت حسان بن ثابت کا صحیح دیوان آج بھی موجود ہے اور رسالت کے بعد بھی ہر دور میں امت کے جو عظیم اور ممتاز علماء گذرے ہیں وہ اپنی قادر الکلامی، تحریر کی جاذبیت و رعنائی، حسن تعبیر و سلاست اور فصاحت و بلاغت میں ممتاز ہیں۔ خواہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے مواعظ و خطبات ہوں یا شیخ حضرت علی ہجویری کی کشف المحجوب ہو یا مجدد الف ثانی کے مکتوبات یا شاہ ولی اللہ کی تصانیف یا دور حاضر کے مجدد حضرت مولانا احمد رضا کی

تصانیف۔

ہمارے بیشتر اولیا کرام قادر الکلام شاعر بھی تھے حضرت امیر خسرو تو اردو شاعری کی ابتدائی بنیاد رکھنے والوں میں ہیں۔

نزول قرآن کے بعد کفار مکہ نے قرآن کا مقابلہ فصاحت و بلاغت سے پُر خطبات اور شاعری سے کرنا چاہا، شاعری اُس دور کا میڈیا تھا۔ کسی شاعر کی زبان سے ایک مصرع یا شعر ادا ہوتا اور بغیر کسی اخبار و پریس، ریڈیو و ٹیلی ویژن کے آناً فاناً پورے عرب کی وسعتوں تک پہنچ جاتا۔

معلم کائنات ﷺ کے صحابہ کرام کو جسمانی جنگ کے ساتھ قلم کی جنگ بھی لڑنی پڑی بلکہ ایک وقت ایسا آیا کہ اہل مکہ سے اصل معرکہ قلمی رہ گیا۔ غزوۂ خندق کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اب اہل مکہ کبھی تم پر عسکری طور پر حملہ آور نہ ہوسکیں گے اب ان کا حملہ ایک اور جہت یعنی ادب و شاعری کی راہ سے ہوگا۔ صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت حسان بن ثابت جیسے حضرات نے وقت کے اس چیلنج کو قبول کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے یہ غلام اس میدان میں بھی کفار مکہ کو شکست فاش دیں گے، چنانچہ یہی ہوا بھی۔ یہ منظر بھی دنیا نے دیکھا کہ سرور کائنات ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مسجد نبوی کے فرش پر تشریف فرما ہیں۔ آپ کے درباری شاعر حضرت حسان بن ثابت مسجد نبوی میں منبر رسول پر کھڑے ہوکر حمد و نعت و سلام، اسلام کے دفاع اور دعوتِ حق کے متعلق کلام سنا رہے ہیں اور سارے نبیوں کے امام اپنے ہاتھ بلند کرکے کہہ رہے ہیں۔ اے خدا! جبرائیل امین کے ذریعہ تو حسان کی مدد فرما۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قلب الانسان بین اصبع الرحمٰن کہ انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں کے درمیان ہیں جدھر چاہے پھیردے۔ اسی طرح قوموں کی تاریخ میں ایسے لمحات آتے ہیں کہ ہزار ہا لوگوں کے دلوں کی دنیا ایک قادر الکلام خطیب یا شاعر کے چند فقروں سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر آج کا دور جسے بجا طور پر میڈیا یا ذرائع ابلاغ کا دور کہا جاسکتا ہے۔ ایک مسلمان اہل قلم ادیب و شاعر کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔

سر زمین ہند کے حسان حضرت علامہ و مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی دور حاضر کے سب سے بہترین شاعر ہیں امام احمد رضا کا کلام، حدائق بخشش کے نام سے مشہور ہے۔

حدائق بخشش بساطِ ہنر پر گلگشت جنوں ہے۔ حدائق بخشش قرطاسِ شوق پر فروغ شوق کی کارفرمائی ہے۔ حدائق بخشش کی شاعری دل ہر قطرہ میں سازِ انا البحر کی بازگشت ہے۔ حدائق بخشش مستانہ وار وادیٔ خیال کا سفر ہے۔ حدائق بخشش حریم لفظ میں گنجینۂ معنی کا طلسم ہے۔ حدائق بخشش کا چراغ جلوۂ بینش کے زکاتِ حسن سے صبر آسا ہے

گیا جو کاسۂ مہ لے کے شب گدائے فلک　　　مرے غنی نے جواہر ابھر دیا دامن

حدائقِ بخشش محفل شعر وسخن میں ایک عاشق کی نغمہ سرائی ہے۔ ع

بلبلِ باغ مدینہ ترا کہنا کیا ہے　　　اے رضا جانِ عنا دل ترے نغموں کے نثار

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نوکِ قلم کا ایک ایک قطرہ فکر و اعتقاد کی جنتوں میں کوثر و تسنیم کی طرح بہہ رہا ہے۔ اس کے خون جگر کی سرخی سے ویرانوں میں دین کے گلشن لہلہا اُٹھے ہیں۔ اس کے عرفان و آگہی کی داستانیں چمن چمن میں پہنچ گئی ہیں اور لوح و قرطاس سے گزر کر اب اس کے علم و دانش کا چراغ دل کے شبستانوں میں جل رہا ہے۔

امام احمد رضا نے قلم و کلام کو محض شاعری و تصنیف سمجھ کر نہیں اپنایا بلکہ وہ ثنائے مصطفےٰ ﷺ کو اپنا وظیفہ سمجھتے ہیں۔ ع

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پرواروی تھی کیا کیسے قافیے تھے

کلام رضا میں محبت وعقیدت کی یہ انتہا ہے کہ جہاں شعرا عام طور پر رخ محبوب کو چاند و سورج سے اور زلف کو مشک وختن سے تشبیہ دیتے ہیں۔ آپ کو یہ تشبیہات بھی گوارا نہیں کہ چاند، سورج، زلف کے امتیازات تو آپ ﷺ کا ہی صدقہ ہیں۔ کلام رضا پر شاعری خود جھوم اٹھتی ہے۔ ع

رخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں　　　سب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
بلبل نے گل ان کو کہا قمری نے سرو جانفزا　　　حیرت نے جھنجھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

الغرض کلام رضا مصطفےٰ جان رحمت ﷺ کے عشق سے پُر ہے۔ آپ عاشق رسول ﷺ۔ امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے کلام ''حدائق بخشش'' کا مطالعہ کریں اور خود بھی عشق رسول سے مالا مال ہوں۔ اس نعتیہ کلام میں ترسیلات کا منظر نامہ متنوع اور دل پذیر ہے۔ تخلیقی استعارات سے تخیل اور عقیدت کے آمیزے کی نموداری ہے۔ وارفتگیٔ عشق رسول نے وجدان کو جمالیاتی آہنگ بخشا۔ اور یہ مجموعہ ایجاز تراکیب کا گہوارہ بن گیا۔ ع

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

OOOOOO

تصنیفاتِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت سے متعلق گزارشات

از: محمد عبدالمبین نعمانی قادری۔ دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ، مئو (یوپی)

کتابوں کی اشاعت سے متعلق آج کل بہت غفلت برتی جارہی ہے۔ اولاً تو کتابت وغیرہ کی تصحیحات پر خاطر خواہ، توجہ نہیں دی جاتی کہ اس میں محنت بھی زیادہ ہے اور جاں کاہی کا بظاہر کوئی فائدہ بھی نہیں، ناشر حضرات تصحیح پر بالعموم کچھ خرچ کرنا نہیں چاہتے اور مفت میں اہلِ علم کا ملنا مشکل، جس کی وجہ سے کتابیں جیسے تیسے چھپ کر مارکیٹ میں سیل ہورہی ہیں۔ زیادہ تر کتب خانے محض تجارتی اور ذاتی ہیں جن کی اوّلین توجہ کتابوں کی نکاسی پر ہوتی ہے، جو کتاب نکلنے والی ہوتی ہے جھٹ چھاپ لیتے ہیں، اس میں حتی الامکان کتابت کی زحمت بھی گوارا نہیں۔ جہاں سے کوئی مطبوعہ نسخہ ملا چھاپ کر کمانے لگے، اگرچہ ان ناشرین کا مصنفین پر احسان بھی ہے اور قوم پر بھی جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن میری گزارش ہے کہ حتی الامکان کتابیں تصحیح کے ساتھ شائع کی جائیں اور اچھے کاغذ پر چھاپی جائیں۔ جن کتابوں سے کمایا جائے ان پر ظلم نہ کیا جائے۔ حیرت کی بات ہے کہ جذبۂ مسابقت نے ہر ناشر کو خراب سے خراب کاغذ پر کتاب چھاپنے پر تو مجبور کردیا مگر اس جذبۂ مسابقت میں اس کا نظارہ شاید ہی دیکھنے کو ملے کہ ہر ناشر دوسرے سے عمدہ کاغذ اور شاندار جلد پر کتاب شائع کرنے کی کوشش کرتے ہوں۔ حالانکہ اس میں بھی مالی منفعت ہے۔ جب کہ آج کی دنیا میں ہر آدمی چاہے وہ غریب ہی کیوں نہ ہو اچھا اور خوبصورت مال خریدنا چاہتا ہے۔ کتابوں کے سلسلے میں بھی تجربہ یہی ہے۔ یہ باتیں جہاں عام کتابوں کے بارے میں کہی جاسکتی ہیں وہیں امامِ عشق ومحبت سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث ومحقق بریلوی قدس سرہ کے بارے میں بھی کہی جائیں گی، کہ اعلیٰ حضرت کی بھی بیشتر کتابیں گھٹیا کاغذ پر چھپ رہی ہیں حتی کہ فتاویٰ رضویہ اور ترجمۂ قرآن کنزالایمان پر بھی خاطر خواہ توجہ نہیں دی جارہی ہے، فتاویٰ رضویہ بے شمار اغلاط سے پُر چھپ رہی ہے اور معمولی کاغذ پر، یوں ہی کنزالایمان بھی اکثر ناشرین وہی چھاپ رہے ہیں جو عرصہ سے اغلاط پر مشتمل چھپ رہا تھا، حالانکہ ناچیز نعمانی قادری نے عرق ریزی سے اس کی تصحیح کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اب تو ناشرین کو اس کے سوا دوسرا ایڈیشن چھونا ہی نہیں چاہیے اور خریدار حضرات نیز تاجرانِ کتب کو وہی نسخہ ملنا چاہیے، لیکن افسوس کہ بالعموم تاجرین بھی اس سلسلے میں جو ملا بیچنے کے چکر میں رہتے ہیں لیکن میری ناشرینِ قرآن اور تاجرینِ کتب دونوں سے گزارش ہے کہ صحیح نسخہ کو شائع کریں اور اسی کو برائے فروخت و ہدیہ حاصل کریں، خاص طور سے سُنّی ناشرین وتاجرین کتب ضرور توجہ دیں۔

دوسری گزارش اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کتابیں شائع کرنے والوں سے یہ ہے کہ، اگر اعلیٰ حضرت

کی کوئی قدیم کتاب فوٹو (عکس) لے کر شایع کریں تو اس میں سابقہ ناشر کا ٹائٹل اور پتہ باقی رکھیں، آگے پیچھے اور بھی مضامین ہوں تو ان کو بھی حذف نہ کریں، کچھ اضافہ کرنا ہو تو آخر میں اضافہ کریں مگر اضافہ کرنے والے کا نام ضرور دیں یا مضمون کسی کتاب سے لیا ہے تو اس کا حوالہ دیں۔ تاکہ کتاب کی اصلیت باقی رہے، مصنف کے مضمون میں کسی اور کا مضمون ضم ہو کر نہ رہ جائے۔ اصل ٹائٹل کو باقی رکھتے ہوئے حوض کے نیچے نئے ناشر اپنا نام و پتہ دے سکتے ہیں۔ یوں ہی اوپری ٹائٹل جو کتاب سے جدا ہوتا ہے اس میں اپنی مرضی کا ڈیزائن بنائیں اور جس طرح چاہیں اپنا نام و پتہ دیں۔

ابھی میں الملفوظ شریف دیکھ رہا تھا تو اس میں چند طرح کی خامیاں نظر آئیں۔

ایک نسخہ پر مرتب کی حیثیت سے سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ پورے القاب و آداب کے ساتھ ہے مگر اس کے آخر میں دامت برکاتہم العالیہ بھی چھپا ہے جو باحیات مصنف و مؤلف کے لیے لکھا چھاپا جاتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے وصال کو ربع صدی یعنی پورے پچیس سال ہوگئے اور حالیہ نسخوں میں آپ کو حیاتِ ظاہری میں ہی ظاہر کیا جا رہا ہے جو بے توجہی کا نتیجہ ہے کہ قدیم نسخے کا ٹائٹل جو حضرت کی حیات میں چھپا تھا اسی کو باقی رکھا گیا اور ناشر کا نام غائب۔ اب اس کے برخلاف ملاحظہ ہو ایک حالیہ نسخے میں چھپا ہے:

"فاضل نوجوان عالی جناب مولینا مولوی محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب قادری رضوی مفتی اعظم قدس سرہٗ

یہ قدس سرہ بتا رہا ہے کہ حضرت وصال فرماگئے اور فاضل نوجوان بتا رہا ہے کہ ابھی حضرت باحیات ہی نہیں نوجوان بھی ہیں۔ اس میں خامی یہ رہ گئی کہ شروع کے القاب و آداب قدیم نسخے کے باقی رکھے گئے اور آخر میں بے سوچے سمجھے "مفتی اعظم قدس سرہ" بڑھا دیا گیا، جب قدس سرہ چھاپنا تھا تو فاضل نوجوان کو نکالنا تھا ...... کم پڑھے لکھے ناشرین کسی عالم سے رجوع کیے بغیر جب کتابیں چھاپتے ہیں تو اس قسم کی غلطیاں ہوتی ہیں، ...... حالانکہ قدیم نسخے کا پورا ٹائٹل مع ناشر کے باقی رکھتے تو یہ قباحت نہیں ہوتی...... آج کل بالعموم تاریخ اشاعت و تعدادِ اشاعت نہیں دیتے جبکہ قدیم نسخوں میں زیادہ تر اس کا اہتمام ہوتا تھا۔ اصل ٹائٹل باقی رکھنے میں سابقہ اشاعت کی تاریخ بھی محفوظ ہو جاتی ...... خیال رہے یہ گزارش میری انھیں نسخوں کی اشاعت کے لیے ہے جو بعینہٖ قدیم سے عکس لے کر چھاپے جاتے ہیں اگر نئی کتابت کرائی جائے، تو پھر اس میں ناشر کو اختیار ہے کہ حال کے تقاضے کے تحت جیسا چاہے ٹائٹل بنائے۔

حذف کی ایک مثال بھی الملفوظ سے ہی ہے ملاحظہ ہو...... قدیم نسخوں میں حصہ اوّل الملفوظ کے آخر میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ایک قطعۂ تاریخ بھی چھپتا تھا وہ اب غائب کر دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

قطعۂ تاریخ عطیہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ

ایک حالیہ نسخے میں قدس سرہ کی جگہ ابھی بھی ''مدظلہ الاقدس'' چھپا ہے۔

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ ''مصطفیٰ''، مصطفیٰ کا ہو ملحوظ ﷺ

نام تاریخ اس کا رکھتا ہوں زبر و بیّنہ میں الملفوظ

۱۳۳۸ھ

یہ پورا قطعہ تاریخ حالیہ کئی نسخوں میں غائب ہے۔

یوں ہی ''الملفوظ'' کو بعض ناشرین نے ''ملفوظات'' کے نام سے شایع کیا ہے۔ جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے خود ''الملفوظ'' تاریخی نام رکھ دیا ہے تو اس کو بدلنا کیسے صحیح ہوگا۔

یوں ہی الملفوظ کے آخر میں اعتراض و جواب کی شکل میں مختلف مضامین مختلف نسخوں میں شایع ہوتے ہیں مضمون نگار کا پتہ نہیں، ایسی شکل میں ایک عام محقق جب بھی دیکھے گا تو یہی سمجھے گا کہ مختلف اوقات میں مرتب نے ہی یہ مضامین لکھے اور شایع کیے ہیں، اسی طرح کی خامیاں ا بھی تصانیف میں پائی جاتی ہیں۔

قدیم نسخوں کے عکس کے وقت پوری کتاب پڑھوا کر ایک اغلاط نامہ یا تصحیح نامہ بھی آخر میں شامل رہنا چاہیے، اصل کتاب میں تصحیح نہ کی جائے تو یہی بہتر ہے کہ کہیں تصحیح کی جگہ تصحیف نہ ہو جائے، البتہ نئی کتابت ہو تو چند اہلِ علم سے تصدیق کے بعد کتابت میں تصحیح کرالی جائے، کیوں کہ بادی النظر میں بہت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی دیکھنے کے بعد کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے اور صحیح وہی ہوتا ہے جو پہلے چھپا تھا۔ مثلاً اصل میں ''حصن حصین'' تھا عام نظر مین شبہ ہوا اور اس کو حُسن حُسین بنا دیا، میں نے خود بعض لوگوں کو حُسن حُسین پڑھتے دیکھا ہے، آج کے سند یافتہ مولویوں سے بھی یہ مستبعد نہیں اس لیے مَیں نے متعدد اہلِ علم سے تصدیق کی بات لکھی ہے، کہ شاید متعدد میں کوئی ہوش مند مل جائے۔

آج کل ایک مصیبت یہ بھی آن پڑھی ہے کہ چند مضامین اعلیٰ حضرت کے لیے اور اپنی طرف سے بہت کچھ ملا دیا اور مصنف کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت کا نام دے دیا، جب کہ باقی مضامین کی کوئی ضمانت نہیں کہ صحیح بھی ہیں، یقین مانیے دہلی سے ایک کتاب چھپی ہے ''نماز'' اس پر مصنف کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا نام لکھا ہوا ہے۔ جب اعلیٰ حضرت نے معروف انداز کی نماز کی کوئی کتاب ہی نہیں لکھی، اس میں ایسا بھی نہیں تھا کہ فتاویٰ رضویہ سے نماز کے مسائل لیے گئے ہوں۔ اہلِ علم، اکابر اہل سنت اور خود خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ کاش اس کی روک تھام کے لیے کچھ ہو اور اس کے لیے کوئی ذمہ دار ادارہ تشکیل دیا جائے، جو اس اہم کام کی ذمہ اری نبھائے۔ شرعی بورڈ کے نام سے کئی مجلسیں قائم ہیں کاش کوئی مجلس اس ذمہ داری کو بھی سنبھالتی، تو آئندہ پیش آنے والی مشکلات کا حل پیشگی

تلاش کر لیا جاتا ورنہ کل جواب دینا ذرا مشکل ہوگا۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے کام پر کانفرنسوں، جلسوں، جشنوں اور سمیناروں پر آج لاکھوں لاکھ روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ ذرا توجہ اعلیٰ حضرت کی علمی و تحقیقی نگارشات کے سنوارنے سجانے اور ان کو واقعے کے مطابق منظر عام پر لانے کی طرف بھی دے دی جاتی تو بڑا کام ہوتا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات کے تراجم بھی مختلف زبانوں میں ہو رہے ہیں مثلاً انگریزی، ہندی، گجراتی اور بنگالی زبانوں میں زیادہ تراجم ہوئے ہیں۔ یوں ہی ملیالم، سندھی، پنجابی اور ڈچ زبانوں میں بھی بعض کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ اس سلسلے میں بھی قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ کسی زبان میں ترجمہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ہر دو زبانوں پر کامل عبور ہو، ورنہ صحیح مفہوم کی ادائیگی مشکل ہے، بلکہ تحریف کا بھی خطرہ ہے۔ بعض کتابیں بعینہٖ ہندی رسم الخط میں بھی شائع ہوئی ہیں، جن کا سمجھنا ہندی داں طبقے کے بس کی بات نہیں۔ کیوں کہ اعلیٰ حضرت کی اردو کتابیں ہی عام اردو داں نہیں سمجھ پاتے ہیں تو یہ ہندی جاننے والے بھلا کیا سمجھیں گے، اس لیے ہندی میں پوری تسہیل کے ساتھ ہی اعلیٰ حضرت کی کتابیں شائع کی جائیں ورنہ اس سے کوئی خاطر خواہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

کاش یہ باتیں کسی صاحبِ دل، صاحبِ ثروت و وسعت کے دل میں پیوست ہو جائیں۔

¡ ¡ ¡ ¡ ¡ ¡

"اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نعت گوئی کا ایک رُخ جس پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے یہ ہے کہ انہوں نے کوئی نعت اس لیے نہیں لکھی کہ اسے کسی مشاعرے میں پڑھ کر سُننے والوں سے داد وصول کریں۔ اگر یہ امر واقعہ ہے تو سوال اُٹھتا ہے کہ حسن چاہے کلام میں ہو یا چہرے میں وہ فطری طور پر اپنی نمائش چاہتا ہے۔ اگر انہیں اپنا کلام اصحابِ ذوق کے سامنے پیش نہیں کرنا تھا تو پھر بتایا جائے کہ اس کے وجود میں آنے کا داعیہ کیا تھا؟"

(علامہ ارشد القادری)

المجمع الاسلامی کا ایک مختصر تعارف

اب سے تقریباً پچیس سال پیشتر کتابوں کے ذریعے مسلمانوں میں دینی بیداری لانے اور صحیح اسلامی روح پھونکنے کے لیے چند بیدار مغز ارباب علم و دانش نے ایک تصنیفی ادارے کی بنیاد رکھی، اسی کا نام المجمع الاسلامی مبارکپور ہے جو مختلف مرحلوں سے گزر کر اب ایک باضابطہ عمارت میں منتقل ہوکر ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس مختصر عرصے میں المجمع الاسلامی نے بے سروسامانی کے عالم میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، ساتھ ہی ساتھ اس ادارے نے تصنیفی و اشاعتی میدان میں اہل سنت کے اندر جو بیداری کا ماحول پیدا کیا ہے وہ بھی نگاہوں کے سامنے ہے کہ دیکھتے دیکھتے آج لٹریچر کی دنیا میں کتب خانوں کا ایک جال بچھا ہوا نظر آرہا ہے، یہ بھی المجمع الاسلامی ہی کا فیضان ہے۔ جب کہ خود المجمع الاسلامی کے اہتمام سے اب تک ڈیڑھ سو سے زیادہ علمی ادبی دینی اور اصلاحی کتابیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

المجمع الاسلامی کے ذمہ داروں نے اپنا معیار کبھی گرنے نہیں دیا، نہ ہی محض تجارتی مقاصد کے لیے ان کتابوں کو شائع کرنے کی طرف توجہ دی، جو بآسانی مارکیٹ میں مل رہی ہیں۔ کتابت و طباعت اور ٹائٹل کے اعتبار سے بھی اس کا معیار ہمیشہ بلند رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل علم قارئین کا ایک مخلص حلقہ المجمع الاسلامی سے جڑا ہوا ہے اور اس کی مطبوعات کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے، ہم اپنے انھیں قارئین اور دیگر ارباب علم سے گزارش کرتے ہیں کہ المجمع الاسلامی کی مطبوعات کو گھر گھر پہنچانے اور اس کا موثر تعارف کرانے میں ہمارا بھرپور ساتھ دیں۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ المجمع الاسلامی کوئی ذاتی و تجارتی کتب خانہ یا بکڈپو کی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ ایک قومی و ملی سرمایہ ہے، اس لیے یہ پوری قوم کی توجہ کا مستحق ہے، یہ ایک تحریک ہے جو مسلم قوم کے اندر تصنیف و تالیف کے ذریعے اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتی ہے، اذہان کی تطہیر، معاشرے کی اصلاح، مسلک حق و صداقت کی تبلیغ اور پاکیزہ ادب کی ترویج و اشاعت ہی اس کا خاص مقصد اور مطمح نظر ہے لہٰذا اس ادارے کا تعاون دراصل دین کا تعاون ہے۔ اہلِ اخلاص سے گزارش ہے کہ نیک مشوروں، اشاعتی تعاون اور حوصلہ افزا کلمات سے نواز کر اس کاروانِ علم و فن کو آگے بڑھانے میں معاونت کریں۔

اہل علم طبقہ کو اس بات سے بھی مسرت ہوگی کہ سالِ رواں سے المجمع الاسلامی نے باضابطہ تصنیف و تالیف کی ٹریننگ کا بھی شعبہ قائم کردیا ہے، جس کے تحت کچھ زیر تعلیم طلبہ اور بعض فارغین درس نظامی کو تصنیف و تالیف و ترجمہ کی تربیت دی جارہی ہے۔ اس کا مقصد یہ کہ مستقبل میں صحیح زبان و بیان کے مالک قلم کار پیدا ہوں اور وہ حالات کے تقاضے کے تحت لٹریچر فراہم کرکے دین کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ افسوس کہ آج خودرو پودوں کی طرح مصنفین کی تو بھرمار ہے مگر کتابوں میں معیاری زبان کا فقدان نظر آرہا ہے، جبکہ زبان و بیان کی درستگی کے بغیر کسی بھی زبان کو اظہار بیان کا ذریعہ نہیں بنایا جاسکتا۔

"المجمع الاسلامی" کا باضابطہ تعارف مطبوعہ شکل میں موجود ہے اور یوں ہی اسٹاک میں موجود کتب کی فہرست بھی تیار ہے، شائقین خط لکھ کر حاصل کرسکتے ہیں، تقریباً بیس کتابیں قدیم و جدید ان دنوں زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی ہیں۔

رابطہ کا پتہ:- المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارکپور، اعظم گڑھ، یو۔ پی 276404

رضا نامے

○ ڈاکٹر صابر سنبھلی، سیف خاں سرائے سنبھل، ضلع مراد آباد یوپی

سہ ماہی "افکار رضا" ممبئی بابت جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء میں برادرم خورشید احمد سعیدی صاحب (پاکستان) کا گذشتہ دو شماروں کا جائزہ شائع ہوا ہے۔ سعیدی صاحب کی تحریریں عالمانہ اور محققانہ ہوتی ہیں۔ اُن کی تحریر کو سنجیدگی سے پڑھنے والا اُن کی علمیت کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور کیوں نہ ہو کہ سعیدی صاحب کی نظر اور تحریر کا انداز دونوں قابلِ داد ہیں۔ املا اور انشا کے اسرار و رموز کے تو گویا وہ سمندر ہیں۔ اس زمانے میں ایسے موضوعات پر لکھنے والے شاذ و نادر ہی ہیں۔

علمی معاملات میں اختلاف اگر سنجیدگی کے ساتھ ہو تو اُس میں کوئی قباحت نہیں۔ سعیدی صاحب کے اس جائزے کے ایک حصے سے مجھے معمولی سا اختلاف ہے۔ مگر یہ نفسانیت پر مبنی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے میری سوچ غلط ہو۔ تحریروں کے تبادلے سے اس اختلاف کو دور کیا جاسکتا ہے۔ امید ہے کہ سعیدی صاحب کو یہ بات پسند آئے گی۔

مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے وہ صفحہ ۸۲۔۸۳ سے متعلق ہے۔ اس میں عربی کے سترہ (۱۷) الفاظ کے آخر سے ہمزہ کے حذف کو سعیدی صاحب نے تحریف قرار دیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ عجلت یا جذباتیت کا نتیجہ ہو۔ قرآنی الفاظ بے شک وحیِ الٰہی ہیں؛ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کا املا وحیِ الٰہی نہیں ہے۔ قرآن کریم تحریری شکل میں نازل نہیں ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اُس سے انحراف ضرور تحریف قرآن کے ذیل میں آتا۔ لہٰذا سعیدی صاحب کو کوئی دوسری دلیل دینی چاہیے۔

اردو اور عربی میں اگر کوئی ربط ہے تو اتنا کہ عربی کے ۲۸ حروف تہجی اردو حروف میں شامل ہیں ورنہ دونوں زبانوں کے خاندان بھی جدا جدا ہیں۔ عربی سامی زبان کی شاخ ہے تو اردو کا تعلق زبانوں کے انڈو یوروپین خاندان سے ہے۔ اردو کا اپنا رسم الخط ہے، اپنا ذخیرہ لغات ہے، اپنی گرامر ہے۔ رہا الفاظ کا اشتراک تو وہ اسلامیات کی وجہ سے ہے۔ یوں بھی دخیل الفاظ کس زبان میں نہیں ہوتے۔ اگر فارسی الفاظ آتش کدوں کے بیچ پلے بڑھے ہیں تو اردو کے الفاظ بھی صنم کدوں کے اردگرد جوان ہوئے ہیں اور عربی زبان کے فروغ کے وقت عرب میں بھی بت پرستی کم نہیں تھی۔ زبانوں کا معاملہ الگ ہے اور دین و ایمان کا الگ۔ ماہرین لسانیات بتاتے ہیں کہ عربی ہبرو Hebrew زبان کی اولاد ہے اور ہبرو یہودیوں کی زبان ہے۔ اس طرح تو عربی کی ساکھ بھی متاثر ہو جائے گی۔ اس لیے یہ دلیل بھی مناسب نہیں۔

انڈیا میں ۱۹۷۴ء میں ایک سرکاری ادارے کی کوششوں سے ایک ضخیم کتاب شائع ہوئی تھی "اردو املا"

جس کے مصنف تھے اردو زبان کے مسلّم محقق جناب رشید حسن خاں۔ وہ اس کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''عربی کی بہت سی جمعیں اور مصدر ایسے ہیں جن کے آخر میں اصلاً ہمزہ ہے، اور اُس سے پہلے الف ہے، جیسے: ابتداء، املاء، انشاء، ہواء، علماء وغیرہ۔ اردو میں ایسے سب لفظوں میں صرف آخر کا الف لکھا جائے گا۔ ہمزہ بالکل نہیں لکھا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمزۂ آخر تلفظ میں نہیں آتا۔ اضافت کے لیے ایسے لفظوں کے آخر میں ے کا اضافہ کیا جائے گا۔'' (ص ۳۶۳)

عربی فارسی کے ماہرین بتاتے ہیں کہ ہمزہ الف متحرک ہوتا ہے۔ یعنی اگر ساکن ہے تو الف ہے اور متحرک ہے تو ہمزہ ہے۔ واضح ہو کہ اردو زبان میں کوئی لفظ متحرک الآخر نہیں ہوتا۔ اس لیے لفظ کے آخر میں ہمزہ کا جواز نہیں۔ اس کے برعکس عربی کے الفاظ متحرک الآخر بھی ہوتے ہیں وہاں ہمزہ کا آنا درست ہے۔

اس وقت کچھ دیگر کاموں میں زیادہ ہی مصروف ہوں۔ اگر سعیدی صاحب اس تحریر سے مطمئن نہیں ہوئے تو انشاء المولی پھر لکھوں گا اور اگر انہوں نے مجھے مطمئن کر دیا تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

○ مولانا نعیم برکاتی، کتب خانہ برکاتیہ، کول پیٹھ، ہبلی، کرناٹک

خیریت کا طالب بخیریت! ''الجمع الرضوی صحیح البخاری'' موصول ہوئی۔ بہت بہت شکریہ! عرض یہ ہے کہ ہمیں آپ کا مرسلہ ''افکار رضا'' جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء ملا شکریہ

ہمیں اب پتہ چلا کہ ''افکار رضا'' میں شائع ہونے والے قسط وار سلسلے ''فلاح دارین'' کو بند کرنے کی رائے آپ کو پاکستان کے کس نقاد نے دی تھی۔ اس نقاد کے متعلق ہمیں تعجب ہے کہ بعض جگہ انھوں نے صحیح کو بھی غلط کر دیا ہے۔

جیسے انھوں نے لکھا ہے اس تازہ شمارہ کے صفحہ 76 پر سطر 15 میں کہ ''یہ ترجمہ کنزالایمان سے نہیں ہے'' .... لیکن ''افکار رضا'' اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ کے صفحہ 26 کے تحت ہم نے کب اور کہاں لکھا ہے کہ ''یہ ترجمہ کنزالایمان سے ہے''؟ .... بلکہ ہم نے تو حوالہ 7 کے تحت لکھا ہے کہ یہ ترجمہ کتاب ''یا ایھا الذین امنوا جلد اوّل صفحہ ۲۳۱ سے ہے۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ اس ترجمہ کے لیے ہم حوالہ تو کتاب ''یا ایھا الذین امنوا'' کا دیں اور ترجمہ لکھیں کنزالایمان سے!!!

۲۔ اس کے تحت اس تازہ شمارہ کے صفحہ 76 پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ان کی سراسر نادانی وکم عقلی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر تھوڑی بھی عقلمندی یا دانائی وہ استعمال کرتے تو یہاں غلطی کی شکایت کرنے کی بجائے کمپیوٹر کی غلطی بتا کر اصلاح کرتے اور الزام مضمون نگار پر نہ دھرتے .... کیونکہ یہاں صفحہ 27 پر پہلی سطر کے بعد کمپیوٹر کی غلطی یہ ہوئی ہے کہ عنوان ''ریاء کی حرمت قرآن کریم میں'' حوالہ 9 کے بعد آنا چاہیے تھا۔ جو مدیر زبیر قادری صاحب کی مہربانی سے تیسری سطر کی بجائے یہ عنوان دوسری سطر پر آ گیا۔

۳۔ یہاں بریکٹ میں یہ الفاظ دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ کنز الایمان سے ہٹ کر ہے۔ صرف معنی سمجھنے کے لیے یا مطلب خوب واضح ہونے کے لیے یہ بریکٹ میں دیا گیا ہے۔ قرآن کی طرح کنز الایمان کے جملہ الفاظ ''وحیِ الٰہی'' تو نہیں ہیں کہ اس میں سمجھنے کے لیے بریکٹ میں بھی ذرا برابر بھی اضافہ نہ کیا جائے۔ اکثر مترجمین تو احادیث کے تراجم تک میں اس طرح کا اضافہ بریکٹ میں دیکر، کیا کرتے ہیں تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

۴۔ یہاں پر لکھا ہے اس نقاد خورشید احمد سعیدی صاحب نے کہ ''جس عبارت کو انھوں نے حوالہ نمبر ۷۷ میں ذکر کیا ہے وہ ص 37 پر بھی موجود ہے یہ بے فائدہ تکرار ہے۔

یہ بات بھی ہماری سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ حوالہ نمبر ۷۷ تو ص 37 ہی پر موجود ہے۔ اور اس مکمل صفحہ پر کہیں بھی کسی بات کی تکرار موجود نہیں .... اگر کسی اور صفحہ پر ہو بھی تو ضرورت کے تحت اس کو لایا گیا ہے۔ قرانِ مقدس میں بھی اکثر آیات کی تکرار کئی جگہ آئی ہے۔ اسی طرح صحاح ستہ میں بھی کئی احادیث کی کئی جگہ تکرار ہے۔

۵۔ یہاں حوالہ ۹۶ کے تحت انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، یہ بھی کمپیوٹر کی غلطی سے عبارت یا حوالہ کی جگہ صرف ''ایضاً'' تحریر ہوگیا ہے۔ جب کہ اس کا صحیح حوالہ یوں ہے ''تفسیر روح البیان جلد ۸ پارہ ۱۶ صفحہ ۹۷۔

پھر اس کے بعد حوالہ ۹۷ کے تحت ''ایضاً'' صفحہ ۹۴'' جو لکھا گیا ہے، وہ بالکل درست ہے۔

۶۔ کے تحت صفحہ 77 پر انھوں نے یہ لکھا ہے کہ ''سورۃ الماعون کی آیات ۴ تا ۶ کا حوالہ ہم نے یوں دیا ہے: پارہ ۳۰ سورۂ ماعون ۴:۶'' بلکہ یہ سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ ہم تو یوں لکھا ہے ''پارہ ۳۰ سورۂ ماعون آیت ۴: ۶ جس سے صاف واضح ہے کہ ۴: ۶ کسی سورۃ وغیرہ کا نمبر تو نہیں ہے بلکہ آیت ہی کا نمبر ہے اور اکثر ہمارے یہاں تا کی جگہ دو نقطے لگائے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب ۴:۶ یعنی ۴ تا ۶ ہے۔ اور اس کی جگہ یوں لکھنا ۴۔۶ کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ ۴ اور ۶۔ خیر مختلف قلم کاروں کا مختلف انداز ہے۔ جس کی وضاحت مضمون یا مقالہ لکھنے والا نہیں بلکہ ایک مستقل کتاب لکھنے والا ابتدا میں کر دیا کرتا ہے۔

۷۔ یہاں حوالہ ۵۰ کے تحت ''صحیح مسلم کتاب الزھد والرقاق'' جو تحریر ہے، یہ بھی کمپیوٹر کی غلطی سے ہوا ہے۔ اس کو مضمون نگار پر دھرنا، غلطی ہے۔ کیونکہ ایک جگہ جب صحیح لکھا جا چکا ہے تو دوسری جگہ کیونکر وہ غلط لکھے گا؟ اس لیے اس جگہ یہ شکایت بجا ہے کہ ''ہوسکتا ہے کتابت یا کمپیوٹر کی غلطی ہوئی ہو'' کیونکہ یہاں غلطی سے والرقائق کی جگہ والرقاق کتابت ہوگیا ہے۔ ہماری مرسلہ اصل کاپی میں دونوں جگہ ''صحیح مسلم کتاب الزھد والرقائق'' ہی تحریر ہے چاہے تو اصل کاپی دیکھ لیں۔

یوں ہی حوالہ ۱۳۱ کے تحت اصل کاپی میں ہر جگہ ''مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح''

ہی لکھا ہے جو کتابت کی غلطی سے ''مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ مصابیح'' چھپ گیا ہے۔

۸۔ اس کے تحت یہاں سے اختتام تک انھوں نے جو کچھ شکایت یا تنقید کی ہے، وہ بھی سراسر کمپیوٹر ہی کی غلطیاں ہیں اور مدیر محمد زبیر قادری صاحب کی عنایات ہیں۔ کیونکہ ہر رسالے کی موصولیت کے جواب میں ہر بار ہم نے ان کو اغلاط نامہ و تصحیح نامہ لکھ کر ہمیشہ روانہ کیا ہے۔ اور آئندہ کمپیوٹر کتابت کی غلطیوں سے بچنے کی تنبیہ فرمائی ہے۔ مگر آج بھی وہ مرسلہ تازہ شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء کے صفحہ 73 سطر آخر میں ''ہی'' کی جگہ ''کی'' تحریر کیے ہیں۔

O خورشید احمد سعیدی، اسلام آباد، پاکستان

مجلہ افکار رضا کے شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۵ء O صفر المظفر تا ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ پر تبصرہ حاضر ہے۔ اس شمارے پر تبصرہ افکار رضا (جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء O جمادی الاول تا رجب المرجب ۱۴۲۶ھ) میں شائع کیے گئے تبصرہ میں شامل نہیں کیا جاسکا تھا۔ اس پر تبصرہ بھی درج ذیل میں شامل ہے مگر اس کے مقالات و مضامین کی ان جوانب پر تبصرہ نہیں کیا جن پر مولانا محمد شہاب الدین رضوی، سید صابر حسین شاہ بخاری اور مولانا ریحان رضا انجم صاحبان نے تبصرہ کر دیا ہے۔ ان دو شماروں کے مقالات اور مندرجات پر اظہار خیال سے پہلے حسب سابق پہلے اغلاط کی نشاندہی اور تصحیح پیش ہے۔

مجلہ افکار رضا: اپریل تا جون ۲۰۰۵ء O صفر المظفر تا ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ

غلط کلمات وعبارات کی تصحیح:

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
5	نیچے سے ۳	ایمان وعقیدہ کی تحفظ کے لیے	ایمان وعقیدہ کے تحفظ کے لیے
6	۲۲	ے میں	میں
7	۳	نے آپ ﷺ نام احمد	نے آپ ﷺ کا نام احمد
8	۵	مواحد	مُوَحِّد
8	۵	بمع	مع
9	۷	یتلو علیھم	یتلوا علیھم
13	آخر سے ۵	وابتغو	وابتغوا
15	۱۹	العلموا	العلمؤا
16	۱۰	العلمئوا	العلمؤا
17	اوپر اور نیچے سے ۲	قریظہ	قُرَیْظَةَ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
18	۴	موقت	موقّت
18	۱۰	حدیث آتا ہے کہ	حدیث میں آتا ہے کہ
18	۱۱	واحد منهم	احدًا منهم
18	۲۱	لقاِ	لِقاء
21	۱۵،۱۴	تب دلیل دینا ہوگا	تب دلیل دینا ہوگی
22	آخر سے ۶	حدیچ	حدیث
23	۲	امامته	أمَامَةَ
24	۶	باکل برخلاف	بالکل برخلاف
25	۴	ذات بائی	ذات باری
26	۵	فی نخبته الفکر	فی نخبة الفکر
26	۷	باب الستجاء بالجر	باب الاستجاء بالجحرین
27	۱۶	چنانچہ نے	چنانچہ انہوں نے
33	۱۰	استفادہ حاصل کرنے	استفادہ کرنے
33	۲۱	متوتر	متواتر
34	۲۰	تم	ثم
34	۲۳	حضرت ابن عینیه	حضرت ابن عُیَیْنَة
35	۶	من احدا	من احد
35	۱۲,۱۶,۱۷	عنۂ	عنہ
37	آخری	علم وعقل ییی	علم وعقل ایسی
38	۱۲	قوم وہ یہی کہے گا	تو وہ یہی کہے گا
38	۱۸	یالالہ نے مجھ سے	یااللہ نے مجھ سے
38	۲۲،۲۱	میں یاان	میں یا انا
39	۲۰	انکلم ہ	انکلم
39	۲۲	وانلدر عشیر تک	وانذر عشیر تک
39	۲۳	ڈراؤ'' نازل ہوگا	ڈراؤ، نازل ہوگیا
40	۲۲	عظیم ۂ	عظیم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
40	۲۵	واللہ سبحانہٗ تعالیٰ	واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم
41	۴	فیروزالغات	فیروزاللغات
45	۵	تمہارے صبروتوفیقِ ایزدی سے ہی ہے	تمہاراصبرتوفیقِ ایزدی سے ہی ہے
45	۱۹	الحجۃالقطعیہ المذ یحۃللشبہ	الحجۃ القطعیہ المزیحۃ للشبہ
46	۱۴	ھوالتز کیر	ھوالتذ کیر
47	۸	بحث اپ	بحث آپ
47	۱۲	مین	میں
47	۲	عقلِ غیاب	عقل غیاب
49	۱۸	چہ عُجب	چہ عجب
50	۱۹	مژرہٗ	مژدہٗ
52	۲۱،۲۰	اور نہ پیٹھ دکھایا جاسکتا ہے	اور نہ پیٹھ دکھائی جاسکتی ہے
52	۷	بروقت نوٹس لی	بروقت نوٹس لے
53	۱۵	والیراعہ	والبراعۃ
53	۱۷	والنشر للناس	وَانْشُرُ للناس
56	۱۲	فحصنات	؟؟؟
57	۹	ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا	ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
57	۱۹	یقرؤن	یقرء ون
57	۲۲	آغاروا	اَغاروا
58	۱۰	فردوالمکائد	فردوا المکائد
59	۳	ولم شتہ	؟؟؟
62	۱۲	پروفیسرس	پروفیسرز
63	۲	بحرالرائق	البحرالرائق
65	نیچے سے ۳	بعدہٗ بہر ثبت لگا کر تصدیق بھی فرمائی	بعدہٗ مہر لگا کر تصدیق بھی فرمائی
66	۱	فائدہ کررہے ہیں	فائدہ حاصل کررہے ہیں
66	۱۷	وماتوفیقی الاباللہ	وماتوفیقی الاباللہ
68	۱۰	(Old Testaments)	(Old Testament)

69	۱۳	کتابتہ الامام	کتابۃ الامام
70	۹	الجہارو السیر	الجہاد و السیر
72	۱۸	رضا کیڈمی بمبئی	رضا اکیڈمی بمبئی
74	۵	بلکہ اپنی مقالہ آپ ہے	بلکہ اپنی مثال آپ ہے
74	۹	انجیکشن سے روز نہ ٹوٹنے	انجیکشن سے روزہ نہ ٹوٹنے
74	۲۰	بے نیازی کے مصر	بے نیازی کہ مصر
74	۲۰	ارض	ارض
74	۱۹	رضی اللہ عنۃ	رضی اللہ عنہ
76	۶، ۱۹، ۲۰	رضی اللہ عنۃ	رضی اللہ عنہ
77	۲، ۴، ۷، ۱۰، ۱۲، ۱۴، ۱۸، ۱۹، ۲۲	رضی اللہ عنۃ	رضی اللہ عنہ
77	۱۳	خاصر مصالحت ہوئی	خاطر مصالحت ہوئی
82	۲۲	درالعلوم	دار العلوم
85	۹	الدرارسات السلامیہ	الدراسات الاسلامیہ
86	آخری	مرکز الدرسات الاسلامیہ	مرکز الدراسات الاسلامیہ
100	۱۶	کنگ جیمز	کنگ جیمز بائبل
100	۲۰	کنگ ورژن	کنگ جیمز ورژن
120	۴	الحمدللہ ان اخبار ترقی پذیر ہے	الحمدللہ ان کا اخبار ترقی پذیر ہے

مضامین کے افکار و نظریات سے متعلق میری رائے:

۱۔ میرا وہ تبصرہ جسے آپ نے سہ ماہی افکار رضا۔ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء میں شائع کیا ہے اس میں بندہ نے (صفحہ 82 کے آخری پیراگراف سے صفحہ 83 کے پہلے پیراگراف تک) قرآن اور ہمارے ایمان کی جان حضور نبی کریم ﷺ کی مبارک زبان کے بعض کلمات میں کاتب صاحبان جو تحریف فی الرسم کرتے ہیں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ وہ خواہ مخواہ آخری ہمزہ کو بلا سبب حذف کر دیتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ [علماء، لقاء، انبیاء، شفاء، شعراء، احیاء، اولیاء، عرفاء، آباء، اسماء] جیسے کلمات میں سے کچھ وہ ہیں جنہیں جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ والے شمارے میں بھی ہمزہ سے محروم رکھا ہے۔ اگر میں غلط ہوں تو عربی زبان کے ساتھ اس زیادتی کی کوئی حکمت مجھے بھی بتا دیجیے۔

۲۔ اس بار ایک نئی دریافت سامنے آئی ہے۔ وہ یہ کہ اب کاتب صاحبان نے عربی کے کثیر الاستعمال

لفظ "عنہ" کو "عنہٗ" یعنی الٹے پیش کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا ہے۔ امید ہے قارئین یا کاتبین یعنی وہ حضرات جن کا اس 'دریافت' میں ہاتھ ہے "عنہٗ" کے بدلے "عنہٗ" لکھنے کی دانائی پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

۳۔ کئی مقامات پر کچھ کلمات یا عبارات میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ مندرجہ بالا فہرست اغلاط میں ان کے سامنے میں نے سوالیہ نشان ڈال دیئے ہیں۔ براہ کرم ان کی وضاحت ضرور کیجیے گا۔

۴۔ اس شمارے میں حضور مرشدی علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کی دو تقاریر شامل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آج ہر سُنّی کے دل و دماغ میں ان میں دی گئی ہدایت راسخ ہونی چاہیے۔ ان تقاریر کے محشی نے خاصی محنت کی ہے مگر صفحہ 25 پر بخاری شریف سے جو حدیث انہوں نے نقل کی ہے اس میں درج ذیل خط کشیدہ کلمات سے متعلق دو بڑی غلطیاں ہوگئی ہیں۔ اس حدیث کا متن میرے پاس موجود صحیح بخاری کے نسخہ کے مطابق یوں ہے:

حدثنا ادم قال حدثنا شعبة عن ابی بِشْرٍ قال سمعت سعیدَبْنَ جُبَیْرٍعن ابن عباس اتی رجل النبیَ ﷺفقال لہ اِنَّ اُختی نَذَرَتْ ان تَحُجَّ وانہا ماتت فقال النبی ﷺلو کان علیہا دینٌ اَکُنْتَ قَاضِیَہٗ قال نعم قال فاقضِ اللّٰہَ فھو اَحَقُّ بالقضاء (قدیمی کتب خانہ کراچی، جلد ثانی، ص۹۹۱)۔

میرے علم کے مطابق یہ حدیث صحیح مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا محشی کو یوں نہیں لکھنا چاہیے تھا: "بخاری و مسلم میں روایت ہے!"۔

۵۔ "فلاح دارین" میں محترم نعیم برکاتی صاحب نے صفحہ 34 سطر ۱۷ پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ غزوۂ حنین کے دن "اللہ تعالیٰ کے فضل کو بھول گئے"۔ صحابہ کرام کے بارے میں ایسے الفاظ لکھنا درست نہیں۔ خصوصاً جب رسول کریم ﷺ خود ان کے درمیان میں موجود ہوں۔ ہاں اسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان کا خیال دوسری طرف چلا گیا تھا۔ اگر وہ اللہ کے فضل کو بھول گئے تو ان کے بعد اُمّت میں سے اور کون اللہ کے فضل کو یاد رکھنے والا ہوسکتا ہے؟ سورۃ التوبہ: ۲۵ کا حوالہ دیکر انہوں نے اس جملے پر استدلال کیا ہے۔ وہ اگر اس آیت نمبر ۲۵ کے آگے پیچھے یعنی سیاق پر غور کر لیں تو انہیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملے جس سے صحابہ کا بھول جانا ثابت ہو۔ ہاں ان کا خیال اُس نعمتِ الٰہی کی طرف زیادہ ہوگیا تھا جو کثرت تعداد کی صورت میں اس وقت انہیں نصیب تھی۔ اس لیے احتیاط، احتیاط، احتیاط!

۶۔ ان کے مضمون میں ویسے تو متنوع اغلاط ہیں لیکن صفحہ 31 کی سطر ۶ میں ان کا یہ جملہ "آپ درود نے عُجب کو بہت بڑا گناہ قرار دیا" کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ انہیں چاہیے کہ وہ مبیضہ آپ کو ارسال کرنے سے پہلے چند بار خود بھی اس پر نظر ڈال لیا کریں۔

۷۔ ان کے مضمون میں صفحہ 39 پر سطر نمبر (۱۔۲) ایک جملہ ہے: "بیشک حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی

اسرائیل موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ہوں"۔ یا اللہ! انہوں نے یہ کیا لکھ دیا ہے؟ خیر حوالہ کی مدد سے میں نے صحیح بخاری کو کھولا۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث پانچ بار مذکور ہے۔ کتاب التفسیر میں سورۃ الکہف کے ذیل میں دوسرے باب میں اس حدیث کا متعلقہ حصہ یوں ملا:

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سُفیٰن قال حدثنا عَمرو بن دینار قال اخبرنی سعید بن جُبَیر قال قلتُ لابن عباس اِنَّ نوفا البِکَالی یزعم ان موسی صاحبَ الخَضِر لیس هو موسی صاحب بنی اسرائیل فقال ابنُ عباس کَذَبَ عَدُوُّاللّٰهِ حدثنی اُبَیّ بن کعب انه سمع رسولَ الله ﷺ یقول اِنَّ موسی قام خطیبًا فی بنی اسرائیل فَسُئِلَ ایّ الناس اعلم فقال انا فعتب اللّٰهُ علیه اذ لم یَرُدَّ العلم الیه فاوحی اللّٰهُ الیه اِنَّ لی عبدًا بمجمع البحرین هو اعلم منک ...صحیح بخاری (طبعہ اولی دہلی ۱۳۵۷ھ۔ ۱۹۳۸ء؛ طبعہ ثانیہ کراچی ۱۳۸۱ھ۔ ۱۹۶۱ء)، (کراچی: قدیمی کتب خانہ)، ج ۲، ص ۶۸۷۔

ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے صحیح بخاری کو نہیں کھولا، یا جس کتاب سے انہوں نے اسے نقل کیا ہے اس سے خود بھی نہیں سمجھ سکے۔ اللہ اعلم بالصواب۔ اللہ کریم نے انہیں قلم پکڑنے کی صلاحیت سے نوازا ہے امید ہے وہ آئندہ احتیاط کا دامن ذرا زیادہ مضبوطی سے تھامیں گے۔

۸۔ بعض اوقات کاتب صاحب ذراسی غلطی کرتے ہیں مگر اس کی صحت چیک کرنے کیلیے گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ مثلاً صفحہ 9 کی سطر ۸ اور ۱۰ میں مذکور قرآنی کلمات کے لیے آیت کا نمبر ۱۶۳ بتایا گیا ہے۔ اسے چیک کیا تو یہ نمبر ۱۶۴ نکلا۔ میں نے ضیاء القرآن، لاہور؛ القرآن الحکیم مع ترجمہ البیان، مطبوعہ ملتان؛ شاہ فہد قرآن کمپلیکس سعودیہ اور تاج کمپنی کراچی وغیرہ کے مطبوعہ قرآن میں اس آیت کا نمبر ۱۶۴ پایا ہے۔ سورتوں کی آیات کی تعداد میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے بعض طبعات میں ہمیں ایک آیت کا نمبر دوسرا مل سکتا ہے۔ لیکن اندازہ کیجیے کہ کاتب نے ۴ کی بجائے ۳ والی کی (key) کو دبا دیا تو ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں ہونے والی غلطی کی درستی کے لیے تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ یہی حال صفحہ 14 کی سطر ۱۴ میں "عُجب" پر پیش ڈال دینا ہے۔ یہ لفظ عَجب ہے۔ عُجب تکبر کے لیے اور عَجب حیرانگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس جگہ شعر میں حیرانگی کا معنی ہے۔ خدارا! احتیاط، احتیاط، احتیاط! زندگی مختصر، کام زیادہ ہے۔

۹۔ صفحہ 52 سے 61 تک محمد افروز چڑیا کوٹی کا مضمون ہے۔ کثرت اغلاط میں ان کا نمبر نعیم صاحب کے بعد دوسرا بنتا ہے۔ مثلاً صفحہ 53 کی سطر ۱۴ میں ایک لفظ "والبراعہ" لکھا ہے۔ میرے خیال میں اسے "والبراعة" ہونا چاہیے کیونکہ براعہ کا معنی جگنو ہوتا ہے جو اس جگہ صحیح نہیں۔ اسی طرح صفحہ 58 کی سطر ۷ تا ۸ میں ایک جملہ: "ان اللہ فی کل حین عبادالصالحین"۔ یہ غلط تو ہے ہی لیکن صحیح کیا ہے؟ کاتب یا

مضمون نگار ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کی اس تقریظ کا جو اردو ترجمہ دیا گیا ہے وہ بھی اَغلاط سے پُر ہے۔ مثال کے لیے اس تقریظ کے اختتامی جملوں کا ترجمہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ آپ کو ''واصلح عمله، ولم شتة'' کا ترجمہ نہیں ملے گا۔

۱۰۔ ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری کا مضمون بہت اہم ہے۔ میرے لیے خوشی کی بات اس میں یہ تھی کہ کچھ علما ایسے بھی ہیں جو بائبل کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے استدلال بھی کرتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ کے نقطۂ نظر سے اس کتاب کا گہرا مطالعہ علما کے لیے آج بہت ضروری ہے۔ امید ہے وہ آئندہ کوئی مقالہ بائبل کے متعلق بھی لکھیں گے۔

۱۱۔ ساحل شہسرامی کا مضمون بہت مفید اور معلوماتی ہے۔ اللہ کرے وہ کتب زیور طباعت سے جلد ہم کنار ہو جائیں جو انہوں نے یہاں ذکر کی ہیں۔ آمین

۱۲۔ ''خواجہ مظفر حسین رضوی کی باتیں'' بہت اچھی لگیں۔ اہل استطاعت حضرات ان سے علوم کے خزانے اور خصوصاً وہ تشریحات اور توضیحات حاصل کرنے کی کوشش فرمائیں جو اعلیٰ حضرت کی ادق کتب سے متعلق ہیں اور کم لوگوں کو سمجھ آتی ہیں۔

۱۳۔ میرے ترجمہ شدہ مضمون میں بھی غلطی پائی گئی۔ آپ نے سیٹنگ کرتے وقت اسے کچھ بگاڑ دیا۔ مثلاً صفحہ 97 کی سطر ۹ میں انگریزی عبارت: Jesus."son.And he gave him the name ہے جبکہ اسے ہونا چاہیے۔ "son. And he gave him the name Jesus." ۔ کچھ خفیف غلطیاں اور بھی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر کر دیا ہے۔

۱۴۔ سفر کی روداد یں بھی اچھی خاصی معلوماتی ہیں۔

○ غلام مصطفیٰ قادری رضوی، باسنی ناگور شریف، راجستھان

میرا محبوب رسالہ ''افکارِ رضا'' جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ نظر نواز ہوا۔ نیک نیتی اور خلوص کا جذبہ ہی آپ کے علمی و اشاعتی سفر کی کامیابی کا ذریعہ ہے ورنہ مجھے معلوم ہے کہ وسائل و ذرائع کی کمی کے باوجود آپ حوصلہ اور عزم کی شمع جلائے ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ عشق و عقیدت کا مسافر عزم محکم کے ساتھ عمل کی راہ میں اپنا قدم ڈال دیتا ہے تو اسے پھول اور کانٹوں دونوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ مگر فضل ربی اور عنایت مصطفوی ﷺ نیز اسلاف کرام کا خصوصی فیضان ہی ہے کہ افکار و نظریات رضا کی اشاعت میں جہان سنیت میں آج ''افکار رضا'' اپنی مثال آپ ہے۔

حسب سابق تازہ شمارہ بھی صوری و معنوی حیثیت سے خوب تر ہے ارباب فکر و قلم اور ہند و پاک کے معروف اہل قلم حضرات ''افکارِ رضا'' کے لیے تحقیقی نگارشات عطا فرما کر قارئین کی معلومات میں اضافہ

کررہے ہیں۔ اس شمارہ میں آپ کی ادارتی تحریر پڑھنے کونہیں ملی۔ برادرم! آپ کی قلمی اور فکری استعداد کا ایک بڑا طبقہ معترف ہے فرصت کے اوقات میں کچھ علمی اور اصلاحی باتیں ہمیں عطا فرمائیں تو کرم ہوگا۔ کسی بھی مدیر کی قلمی توانائیوں کا مظہر دراصل اس کا اداریہ ہوتا ہے گذشتہ شماروں میں فکری جمود توڑنے کے لیے آپ کی کئی ایک تجاویز بھی مفید ثابت ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے اپنا مقالہ ''کنزالایمان کا لسانی جائزہ'' کئی قسطوں میں پورا کردیا۔ یہ بھی افکار رضا کی خصوصیت ہے کہ یہ اہم اور تحقیقی مقالہ اس کی زینت میں اضافہ کا باعث سب سے پہلے بنا۔ ڈاکٹر موصوف نے اس قیمتی نگارش کی وجہِ تالیف بھی ''جامِ نور'' میں لکھ دی ہے جس سے ان کی محبت و عقیدتِ رضا کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔ ان کی ہر تحقیق کا انداز نرالا ہوتا ہے کبھی کبھی نوک قلم سے تنقید برائے تعمیر کے ایسے ایسے پھول بکھیر جاتے ہیں جن کی خوشبو سے علماء وادبا کا مشام جاں معطر ہوجاتا ہے۔ اسی لیے ان کے گراں قدر مضامین علمی و ادبی حلقوں میں بشوق و انہماک پڑھے جاتے ہیں ترجمہ کنزالایمان پر یہ مقالہ کتابی شکل میں جلدی آنا چاہیے تا کہ بابِ اشاعتِ افکار رضا میں جدید اضافہ ہو۔ اس بار ان کی تحریر شامل رسالہ نہیں ہوسکی۔

چند ماہ سے ''افکار رضا'' میں حضور غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کے علمی اور ایمان افروز مقالات شائع ہوکر اس کی افادیت میں چار چاند لگارہے ہیں۔ ایسی عبقری شخصیت اہل سنت کے لیے باعث صد افتخار ہے ان کے علمی کارناموں سے کون ذی علم واقف نہیں۔ تحریر اور قلم کے میدان میں بھی ان کا کوئی جواب نہیں آج کتنی ہستیاں ہیں جو اپنے نام کے آگے ''سعیدی'' بطور عقیدت فخر کے ساتھ لکھتے ہیں وہ اسی صاحب فکر و بصیرت ذات کی بارگاہ کے پروردہ ہیں۔ اور بقول علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ حضرت نے جس مسئلہ پر قلم اُٹھادیا بحث کا ہر گوشہ دوپہر کی دھوپ میں ہے اور علم کی جس وادی میں بھی قدم رکھ دیا ہے اس کے کناروں تک پہنچ گئے ہیں راہرو کی طرح نہیں میر کارواں کی طرح۔

اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا صحیح مفہوم آپ کی علمی بلندی اور قوت فکر کا غماز ہے ایسی بزرگ ہستیوں کے مقالات ہمیشہ شائع ہونے چاہئے۔

''نعت گوئی کا فن اور امام احمد رضا کا تنقیدی شعور'' مولانا ڈاکٹر سراج احمد صاحب کی عمدہ کاوش ہے۔ اہل سخن اس سے اپنی معلومات میں اضافہ کریں گے اور نعت گوئی کے میدان میں ادب و احتیاط کو ملحوظ رکھنے کا سلیقہ بھی امام احمد رضا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سیکھیں تو بہتر ہے۔

پروفیسر خورشید احمد سعیدی جیسے محقق اور نقاد عالم دین افکار رضا کے مشمولات و مندرجات کو مطالعہ کرکے آپ کی خصوصی معاونت کررہے ہیں .... خدائی فضل اور عنایت مصطفوی کے سائے میں

پروفیسر موصوف اپنی علمی زندگی کا سفر بحسن و خوبی طے کر رہے ہیں۔ سعیدی فیضان بھی ان کے سر پر سایہ فگن ہے۔ ان کے تحقیقی مقالات اہل علم و ادب کے سنجیدہ طبقہ کو متاثر بھی کرتا ہے اور ان کی ذکاوت و فراست کا معترف بھی، رد عیسائیت پر ان کا مطالعہ وسیع ہے اور اس سلسلے میں کئی صفحات وہ افکار رضا کے حوالے کر چکے ہیں۔ تنقید و تحقیق میں وہ خصوصی حصہ پائے ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ موصوف محترم آئندہ بھی ہماری رہنمائی فرماتے رہیں گے۔

''روداد پاکستان'' فقیر قادری ہمیشہ بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔ آپ کی عقیدتِ رضا اور احترامِ اکابر سے متاثر بھی ہوتا ہے اور کئی ایک پھول اس روداد سے چن لیتا ہے۔ محمد عارف جامی کی رضویات سے متعلق جدوجہد لائق تحسین وتقلید ہے جد الممتار پر ان کا تحقیقی کام بھی قابل تبریک ہے۔ خدا کرے یہ کار خیر جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

رسالہ دن بدن ترقی کے راستے پر لانے کے لیے آپ نے جو مخلصانہ کاوشیں کی ہیں وہ قابل مبارکباد ہے۔ طوفانوں اور مصائب کا مقابلہ کرتے رہیے اور اپنے نصب العین کو پیش نظر رکھتے ہوئے بس آگے بڑھتے رہیے اس امید کے ساتھ کہ السعی منی و الاتمام من اللہ

( ) ( ) ( ) (

''امام احمد رضا کے مطالعہ و تحقیق کا معیار بھی بہت بلند تھا، انہوں نے کبھی لکھی لکھائی اور سُنی سُنائی پر تکیہ نہ فرمایا بلکہ اصل متون کا خود مطالعہ فرمایا اور جب تک خود مطمئن نہ ہوتے حوالہ نہ دیتے۔ اُن کے پایۂ تحقیق کا اندازہ ''حجب العوار عن مخدوم بہار'' کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ جس میں انہوں نے متنِ کتاب کی تحقیق سے متعلق وہ وہ نکات و اصول بیان فرمائے ہیں جو دورِ جدید کے محققین کے وہم و خیال میں بھی نہیں اور دنیا کا کوئی محقق متن کے لیے یہ اہتمام نہیں کرتا جو امام احمد رضا اہتمام فرماتے تھے۔ امام احمد رضا نے اپنی تمام نگارشات میں اصولِ تحقیق کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ وہ ایک محتاط محقق، عاقبت اندیش مدبّر اور بلند پایہ مفکر تھے۔ اس حزم و احتیاط کے باوجود اُن کی تصانیف کی تعداد ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

تحریک فکر رضا

ہمارے مقاصد :

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماء اہل سنت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکر رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکر رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجیے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مددگار ہوگا۔

AFKAR-E-RAZA (URDU QUARTERLY)

95, Undria Street, Chowki Mohalla, Mumbai - 400 008. E-mail : editor@fikreraza.net

If Undelivered Please return to : M. ISHAQ 45/A, Memonwada Road, 2/6, Mumbai - 400003.

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی